ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
21 تا 27 نومبر 2002ء

☆ دانش مندی کا تقاضا (تجزیہ)
☆ فتنہ دجال اور اس کی تباہ کاریاں (منبر و محراب)
☆ روزے اور اعتکاف کی حکمتیں (دین و دانش)

دو روزے

''روزے دو طرح کے ہیں' ایک چھوٹا روزہ' ایک بڑا روزہ۔ چھوٹے روزے کی تحقیر مقصود نہیں' صرف زمانی اور وقتی لحاظ سے رمضان کے روزے یا نفلی روزے کو چھوٹا روزہ کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ چھوٹا روزہ کتنا ہی بڑا ہو' 13 گھنٹے' 14 گھنٹے کا روزہ ہوگا' بعض ملکوں میں جہاں دن اس زمانہ میں بڑا ہوتا ہے وہاں روزہ بس اس سے کچھ زیادہ ہوتا ہوگا۔ یہ وہ روزہ ہے جو بلوغ پر مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے' یہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروبِ آفتاب تک قائم رہتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس روزہ میں آدمی کھا پی نہیں سکتا اور ان جائز تعلقات و معاملات کا لطف نہیں حاصل کر سکتا جن کی اور دنوں میں اجازت ہے۔ یہ روزہ 29 دن کا ہو یا 30 دن کا' اس میں محدود پابندیاں ہیں۔

بڑا روزہ ہے اسلام کا روزہ! اسلام خود ایک روزہ ہے۔ اور سب روزے اور عیدین بھی' بلکہ روزہ' نماز یہاں تک کہ جنت بھی' جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا' وہ سب اس کے طفیل ہی ہے' اصل بڑا روزہ اسلام کا روزہ ہے۔ جو خوش قسمت انسان مسلمان گھر میں پیدا ہوا' اور وہ شروع سے کلمہ گو ہے' اس پر بلوغ کے بعد ہی یہ طویل مسلسل روزہ فرض ہو جاتا ہے اور جو اسلام لائے' کلمہ پڑھے' یہ روزہ اس پر اسلام قبول کرنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔

اور یہ روزہ کب ختم ہوگا' یہ بھی سن لیجئے۔ رمضان کا روزہ یا نفل روزہ تو غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے' مگر اسلام کا یہ روزہ آفتابِ عمر کے غروب ہونے پر ہی ختم ہوگا۔ اگر یہ روزہ پکا ہے اور آپ نے اس روزے کی شرائط پوری کر دی ہیں اور محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے ہم دنیا سے کلمہ پڑھتے ہوئے گئے' ہماری روح اس حال میں نکلی کہ ہماری زبان پر کلمہ تھا اور ہم ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہہ رہے تھے' ہمارے دل میں نورِ ایمان تھا' ہمارے دماغ میں اللہ سے ملاقات اور حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کا شوق تھا' تو وہ روزہ ہماری موت کے وقت ختم ہوتا ہے۔ رمضان کا روزہ تو آپ عمدہ سے عمدہ مشروب سے افطار کر سکتے ہیں۔ اور زندگی کا یہ طویل و مسلسل روزہ کس سے کھلے گا؟ حضرت محمد رسول اللہ' محبوب رب العالمین' شفیع المذنبین' سید المرسلین ﷺ کے دستِ مبارک سے جامِ طہور' جامِ کوثر سے کھلے گا۔

(مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ایک خطاب سے اقتباس)

سورۃ البقرہ (۷۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لا لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ق اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ق فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ق وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ o كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ o﴾ (آیات : ۱۵۰'۱۵۱)

''اور جہاں کہیں سے آپ کا گزر ہوتو پھیرلیا کریں اپنا رخ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہوتو پھیر لیا کروا پنے منہ اسی (قبلہ) کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کوتم پر اعتراض (کی گنجائش) بجز ان لوگوں کے جو ناانصافی کریں' سو نہ ڈرو تم ان سے (بلکہ صرف) مجھ سے ڈرو کرو تاکہ میں پورا کردوں اپنا انعام تم پر اور تم راہِ راست پر ثابت قدم رہو۔ جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسولؐ تم میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے۔''

اس سے قبل سفر اور حضر دونوں حالتوں سے متعلق یہ حکم دو بار بیان ہو چکا ہے لہٰذا تیسری بار اس حکم کا اعادہ کچھ تکرار کی سی گرانی رکھتا ہے لیکن اگر تدبر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکرار نہیں بلکہ یہاں اس حکم کو بعینہٖ انہی الفاظ میں دہرانے سے مقصود کچھ حکمتوں کو بیان کرنا ہے جو ان احکام کے اندر اس اُمت کے لئے پیش نظر رکھی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ تمہاری مخالفت میں لوگوں کے لئے کوئی دلیل باقی نہ رہ جائے۔ یعنی اگر یہ تحویل قبلہ نہ ہوتی تو علمائے یہود یہ الزام لگاتے کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ ان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ اصل قبلہ بیت اللہ تھا۔ تحویل قبلہ کے بعد اب اس اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی۔ سوائے ان لوگوں کے لئے جو ان میں ضدی اور ہٹ دھرم ہیں' کیونکہ ایسے لوگوں نے تو کچھ نہ کچھ کہنا ہی ہے۔ لہٰذا تم ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو۔ دوسری حکمت ''اتمام نعمت'' ہے یعنی ہم نے اب تمہیں امامت کا منصب دے دیا ہے اور اس حکم کے ذریعے گویا تمہاری تاج پوشی (Coronation) کردی گئی ہے۔ دنیا میں ایک امت کے لئے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ اقوام عالم کی رہنما بنا دی جائے اور نوعِ انسانی کو اللہ کی طرف بلانے اور نیکی کے راستے پر چلانے کی ذمہ داری اسے سونپ دی جائے۔ اس سے پہلے یہ منصب بنی اسرائیل کے پاس تھا جنہیں تحویل قبلہ کے حکم کے ذریعے معزول کر دیا گیا۔ یوں اس منصب پر سرفرازی کے ذریعے اللہ نے امتِ محمدؐ پر اپنے فضل وانعام کی تکمیل کر دی۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسماعیل پر اپنے ایک خاص فضل وکرم کا اظہار فرمارہے ہیں کہ تم دین وشریعت سے ناآشنا اُمی لوگ تھے' اور اب ہم نے تمہارے جدامجد حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی دعا کے مطابق تم میں ایک رسولؐ مبعوث کیا ہے جو تم ہی میں سے ہے جو تمہیں ہماری آیات بتانے کے ساتھ تمہارا تزکیہ بھی کر رہا ہے اور تمہیں ہماری کتاب یعنی شریعت اور حکمت ودانائی کی باتیں بتا رہا ہے۔ لہٰذا تمہیں تو انؐ کی سب سے زیادہ قدر کرنی چاہئے۔

☆ ☆ ☆

لایعنی سے پرہیز کی اہمیت

((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ)) هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ (رواہ الترمذی وغیرہ)

''حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے اسلام کی ایک خوبی بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دینا ہے۔''

انسان اس دنیا میں آخرت کمانے کے لئے آیا ہے اور آخرت اتنی بڑی چیز ہے کہ کوئی شخص ارب ہا ارب سال بھی آخرت کے کاموں میں لگا دیوے تو وہاں پہنچ کر اپنے اس عمل کو تھوڑا سمجھے گا اور یہ حسرت کرے گا کہ کاش اور نیکیاں کما لاتا تو اچھا ہوتا' اس لئے ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ آخرت کی لذتوں اور نعمتوں کے حاصل کرنے اور درجات بلند کرنے کے لئے ایک ایک سانس کو قیمتی اور بہت بڑی نعمت سمجھے اور اسے آخرت کمانے کے کاموں میں خرچ کرے۔ اس سلسلے میں یہی نہیں کہ خود کو گناہوں سے بچائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ فضول باتوں اور بیکار کاموں سے بھی بچے یعنی وہ کام نہ کرے جن کے کرنے سے دین ودنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ کیونکہ فضول اور بے فائدہ کام میں اگر گناہ نہ بھی ہو تو کیا یہ تھوڑا نقصان ہے کہ جتنی دیر کوئی فضول بات کی یا بے فائدہ کام کیا اتنی دیر میں جو آخرت کی کمائی ہو سکتی تھی اس سے محروم ہو گیا۔

حضرت لقمان سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کو یہ حکمت کا درجہ کیسے نصیب ہوا' انہوں نے جواب دیا ((صدق الحدیث واداء الامانۃ وترک مالا یعنی)) ''سچ بولنے' امانت ادا کرنے' اور لایعنی کاموں سے بچنے کی وجہ سے (مجھے یہ مرتبہ ملا)۔'' (مشکوٰۃ)

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے لئے راہِ عمل

ملک میں جمہوری عمل کا آغاز ہو چکا ہے۔ گزشتہ ماہ عام انتخابات منعقد ہوئے۔ بعد ازاں حکومت سازی کے لئے سیاسی جماعتوں کے باہم مذاکرات' گٹھ جوڑ' میل ملاپ اور اٹھک بیٹھک کے ایک لامتناہی سلسلے کا آغاز ہو گیا۔ خدا خدا کر کے دو روز قبل قومی اسمبلی کے منتخب ارکان نے حلف اٹھایا اور یوں اسمبلی کی رونق بحال ہوئی۔ آج سپیکر شپ کے لئے قومی اسمبلی میں رائے شماری ہوئی۔ فوج کی آمرانہ حکومت سے جمہوری حکومت کے قیام تک کے سفر کا آغاز ہو گیا۔ گو آغاز ہی میں بدمزگی بھی پیدا ہوئی' اسمبلی میں سپیکر شپ کے انتخاب کے لئے جعلی ووٹ بھگتانے کی کوشش بھی ہوئی' لیکن جیسے تیسے پاکستان کی پہلی ''گریجویٹ اسمبلی'' نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا ہے۔ جب یہ سطور آپ کے سامنے ہوں گی تو قائدِ ایوان کے انتخاب کا مرحلہ بھی مکمل ہو چکا ہوگا۔ لیکن سوچنا یہ ہے کہ کیا یہ کسی تبدیلی کا آغاز ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاکستان جمہوری عمل کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آیا اور اس کی بقاء کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جمہوری عمل جاری رہے۔ تاہم ہماری ترپن سالہ تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے اس عرصے میں کوئی ترقی نہیں کی بلکہ قیامِ پاکستان کے بعد سقوطِ ڈھاکہ کی صورت میں تنزلی کا سفر ہی طے کیا ہے۔ ہمارے اس زوال کی وجہ ان صفحات میں بار ہا بیان کی جاتی رہی ہے کہ قیامِ پاکستان کے وقت اللہ سے کئے گئے اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کا وعدہ نہ پورا کرنے کی پاداش میں ہم اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں' جس سے بچنے کی راہ صرف یہی ہے کہ یہاں اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ ماضی کے تجربات سے یہ بات بھی اب واضح ہو کر سامنے آ چکی ہے کہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے ہوتے ہوئے انتخابی عمل کے ذریعے اس ملک میں اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔

گزشتہ دنوں اپنے دورۂ کراچی کے دوران امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید نے اسی موضوع پر رفقائے تنظیم کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایک ہمہ گیر انقلابی جدوجہد کے بغیر کسی مؤثر تبدیلی کی توقع کرنا بے بنیاد ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اس بات کا ادراک ہونا چاہئے کہ ہم نے جس مشن کا آغاز کیا ہے وہ ابلیسی نظام کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج اور اس سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔ ابلیسی نظام کو اس وقت سائنس اور ٹیکنالوجی کی برتری کی وجہ سے قوت حاصل ہے۔ اللہ کے نظام اور اُس کے دین کو قائم کرنے کا مطلب اس شیطانی نظام سے ٹکراؤ ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے مشن کی اہمیت کو سمجھنا ہے اور شیطان کے حملوں سے خبردار رہتے ہوئے شعوری طور پر اپنے آپ کو اس کے خلاف جنگ کے لئے تیار کرنا ہے کیونکہ شیطان کی پوری کوشش ہوگی کہ ہمیں اس راستے سے منحرف کر دے۔ وہ کبھی ہمیں علمی موشگافیوں میں لگا دے گا کہ شاید کرنے کا اصل کام یہی ہے یا ذکر و فکر, خانقاہی کی طرف دھکیل دے گا کہ جس سے ہمیں قربِ الٰہی کا جھوٹا اطمینان حاصل ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے سامنے یہ بات بھی واضح رہے کہ ہماری منزل اور ہدف رضائے الٰہی کا حصول اور اسی کے نتیجہ میں فلاحِ اخروی ہے۔ دنیا میں ہماری خواہ جدوجہد کے نتائج ظاہر ہوں یا نہ ہوں' ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ الحمد للہ ہمارے سامنے غلبۂ و اقامتِ دین کی جدوجہد کا لائحہ عمل' منہج انقلاب نبوی ﷺ کی صورت میں پوری طرح سے واضح ہے۔ لہٰذا ہمیں بہر صورت استقامت کے ساتھ منہج انقلاب نبوی ﷺ پر ڈٹے رہنا اور وقتی حالات کی وجہ سے اس طریقۂ کار کو نہیں چھوڑنا ہے۔ ایک مکمل' ہمہ گیر اور پائیدار انقلاب اسی طریقۂ کار سے ممکن ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ منہج انقلاب نبوی کے حوالے سے ہم کہاں کھڑے ہیں؟ انقلابی جدوجہد کے کس مرحلے میں ہیں اور ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ اور ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں؟ منہج انقلاب نبوی ﷺ کے مطابق غلبہ دین کی اس جدوجہد کو آگے بڑھانے کے لئے ہمیں مندرجہ ذیل چار باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

دعوت: ہر شخص کو اپنے level پر یہ کام کرنا ہوگا کیونکہ ہم اس وقت مرحلۂ دعوت میں ہیں۔ اس کام کو آگے بڑھانے سے ہی ہمارے مشن کی گاڑی آگے بڑھے گی۔

نظم: خود کو نظم کا پابند بنایا جائے اور اپنے آپ کو سمع و طاعت کا خوگر بنانے کی شعوری کوشش کی جائے۔ انقلابی جدوجہد کے فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہونے کا انحصار ایسے رفقاء کی تعداد پر ہوتا ہے جو سمع و طاعت کے نظم کے خوگر ہو چکے ہوں۔

امر بالمعروف ونهي عن المنكر: ذاتی سطح پر زبان اور قلم کے ذریعہ اپنے حلقۂ اثر اور حلقۂ تعارف میں امر بالمعروف و نہی المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کی پوری کوشش کی جائے۔ البتہ جہاں اختیار حاصل ہو جیسے گھر میں اگر سربراہ کی حیثیت حاصل ہو تو وہاں قوت بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔

تعلق مع اللہ: ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے مضبوط تعلق استوار کرنا چاہئے۔ اللہ کے ساتھ تعلق کا انحصار تقویٰ پر ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں گناہوں' معصیت اور حرام کاموں سے بچنا۔ اگر ہم چاہیں کہ ہمارا ایمان زیادہ مستحکم ہو' لیکن گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہ ہو تو یہ ناممکن ہے۔ یہ طرزِ عمل اللہ سے قربت کے راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے اور جب تک اسے دُور نہیں کریں گے بات نہیں بنے گی۔ اتقوا الله حق تقته کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ حرام کام جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اُس سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ یہی اصل روحِ تقویٰ ہے۔ اس پر عمل پیرا ہوں گے تو ایمان میں پختگی آئے گی۔ اس کے لئے قرآنِ مجید سے مسلسل ہدایت اخذ کرتے رہنا سب سے زیادہ مؤثر شے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دامن سے وابستہ ہونے کے لئے بھی اصل شے قرآن مجید ہی ہے۔ اسی رُخ کو ہمیں اختیار کرنا ہے اور اسی طور پر اپنے ایمان کو مزید پختہ اور گہرا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ موجودہ حالات میں یہی کرنے کے اصل کام ہیں۔ 00

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور	مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور	بانی: اقتدار احمد مرحوم
سی پی ایل نمبر: 127 جلد: 11 شمارہ 46	پبلشر: اسعد احمد مختار طابع: رشید احمد چوہدری	مدیر: حافظ عاکف سعید
سالانہ زرِ تعاون: 250 روپے' قیمت: 5 روپے	مقامِ اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون 03-5869501	نائب مدیر: فرقان دانش خان

دورِ حاضر میں دجالی فتنے کا اصل ہدف انسان کا اجتماعی نظام ہے

دنیوی زندگی کا اسیر ہو کر آخرت سے غافل ہو جانا ''دجل'' ہے

یہود اور ابلیس انسان کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کو تباہ و برباد کر چکے ہیں

مغرب میں معاشرتی سطح پر تباہ کاری کے بعد یہود اب اس بربادی کو ایشیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں

ایک حدیث کے مطابق دجال کی پیروی کرنے والوں میں اکثریت عورتوں کی ہوگی

فتنہ دجال اور اس کی تباہ کاریاں

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے 8 نومبر 2002ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

دجل کے لفظی معنی فریب کے ہیں۔ فریب مختلف قسم کے ہوتے ہیں، دجل یہ ہے کہ کسی چیز کی حقیقت پر پردہ ڈال دیا جائے۔ اس دجل کا معاملہ اگر انسانوں سے ہو گا تو اسے بہروپ کہیں گے یعنی ایسی صورت اختیار کر لینا جو کہ اس کی اصل شخصیت سے مناسبت نہیں رکھتی۔ دجل کے مادے سے پورے قرآن حکیم میں کوئی لفظ نہیں آیا۔ البتہ بعض احادیث میں دجال کے حوالے سے قرآن حکیم کی بعض سورتوں یا آیتوں کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ''جو شخص سورۃ الکہف کو پڑھتا رہے گا وہ دجالی فتنہ سے محفوظ رہے گا''۔

ترمذی میں ہے کہ ''جو سورۂ کہف کی ابتدائی آیات کو پڑھتا رہے گا وہ دجالی فتنہ سے محفوظ رہے گا''۔

نسائی میں ذکر ہے کہ ''جو اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیات پڑھتا رہے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔''

اس اعتبار سے جب ہم ان آیات اور اس سورۂ مبارکہ پر غور کرتے ہیں تو دجل کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ اس زندگی کی آرائش و زیبائش، چمک دمک کا اسیر ہو کر اپنی صلاحیتیں اپنے اوقات اسی دنیا کی آسائشوں کے حصول کے لئے لگانا اور آخرت سے غافل ہو جانا ''دجل'' ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس دنیا کو ''متاع الغرور'' (دھوکے کا سامان) کہا گیا ہے۔ سورۂ کہف کے بارے میں احادیث میں یہ ذکر ہونا کہ اس کی تلاوت کی پابندی کرنے سے انسان دجالی فتنہ سے محفوظ رہے گا، کا یہی مطلب ہے کہ اس سورۂ مبارکہ میں دنیا کا آخرت کے مقابلے میں حقیر ہونا واضح کیا گیا ہے۔ یعنی اس دجالی فتنہ سے وہی محفوظ رہے گا جو اس حقیقت کو سمجھ گیا اور جسے یقین قلبی والا ایمان حاصل ہو گا۔

سورۃ الحشر میں دجل کی حقیقت کو یوں بیان فرمایا گیا کہ

''ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنے آپ (ان کی اصل حقیقت) سے غافل کر دیا۔''

وہ اصل حقیقت ہمارا روحانی وجود ہے، ہماری ساری توجہات ہمارے حیوانی وجود کے تقاضوں کو پورا کرنے پر لگ رہی ہیں۔ اسی کے لئے ساری سعی جہد ہو رہی ہے۔ لیکن ہم اپنی اصل حقیقت یعنی روح کے تقاضوں سے غافل ہیں۔ اس حقیقت کو اپنشد میں بڑے عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے:

Man in his ignorance identifies himself with material sheets which encompass his real self

''انسان اپنی جہالت میں اپنے آپ کو ان مادی غلافوں سے تعبیر کر بیٹھتا ہے جو اس کی اصل شخصیت کے گرد خول بنائے ہوئے ہیں۔''

ہماری اصل حقیقت وہ روحانی وجود ہے جس کے گرد ہمارا یہ جسم ایک غلاف ہے لیکن ہم اسے ہی اصل سمجھ لیتے ہیں کہ یہ میں ہوں اور یہی طرز عمل ہمارے اور ہماری روح کے مابین پردہ بن جاتا ہے۔ دراصل ہمیں اپنی حقیقت سے غافل کرنے میں دنیا اور اس کے ساز و سامان کو کافی دخل حاصل ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

''ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کا زیور بنا دیا ہے تا کہ آزمائیں کہ کون اچھے عمل کرنے والے ہیں۔'' (الکہف: 7)

سورۂ کہف ہی کی آیت نمبر 46 میں فرمان خداوندی ہے:

''یہ مال و اولاد دراصل دنیا کی زینت ہیں، اصل باقی رہنے والی شے اعمال صالح ہیں اور جو کچھ اس (زمین) کے اوپر ہے ایک وقت آئے گا کہ ہم سب کو ختم کر کے زمین کو چٹیل میدان بنا دیں گے۔''

سورۂ کہف کے آخری حصے کی دو آیات میں اس بات کی مزید وضاحت کر دی گئی کہ دجل کیا ہے ''کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں بتائیں اپنی زندگی کی سعی و جہد میں سب سے زیادہ گھاٹے میں رہنے والے کون ہیں؟ وہ لوگ جن کی سعی و جہد دنیا ہی کی زندگی میں گم ہو کر رہ گئی اور سمجھتے وہ یہ ہیں کہ ہم بڑے کامیاب ہیں۔''

اصل دجل و فریب کی حقیقت تو ان آیات سے واضح ہو جاتی ہے جبکہ احادیث نبویؐ میں دجالی فتنہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ اس فتنہ سے بھی اصلاً وہی متاثر ہوں گے جو اس دنیوی زندگی کے دجل و فریب کے اندر آئیں گے۔ یہ دجل کا لفظ حدیث میں جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک 30 جھوٹے دجال نہ نکل آئیں جو نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ کچھ جھوٹے مدعیان

نبوت تو حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران ہی کھڑے ہو گئے تھے جن میں ایک عورت بھی تھی۔ ان کا قلع قمع حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کیا۔ اس کے بعد بھی بہت سے جھوٹے نبی اٹھتے رہے ہیں لیکن کوئی جمعیت ان کی گرد ایسی جمع نہیں ہوئی کہ ان کی کوئی اہمیت ہوتی۔ البتہ ہمارا زمانہ جو آخری زمانہ ہے اس میں دو دجال ایسے اٹھے ہیں جنہوں نے کافی بڑے پیمانے پر پذیرائی حاصل کی۔ ان میں ایک ایران میں بہاء اللہ تھا جس کے پیروکار آج بھی بہائی کے نام سے موجود ہیں۔ دوسرا ہندوستان کی سرزمین پر غلام احمد قادیانی ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کے گرد نہ صرف اس کی زندگی میں کافی بڑی جمعیت جمع ہوگئی بلکہ آج تک یہ فتنہ برقرار ہے اور بڑھ رہا ہے۔ ان کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ مغرب ان دونوں گروپوں کی پوری سرپرستی کر رہا ہے۔

احادیث کی رُو سے اس سلسلہ کی ایک آخری کڑی بھی آنے والی ہے جو ایک یہودی ہوگا اور مسیحؑ ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے گا۔ دراصل یہود کے سابق انبیاء نے انہیں یہ خبر دی تھی کہ آخری زمانے میں ایک مسیح مبعوث کیا جائے گا جو تمہیں دنیا میں بام عروج پر پہنچا دے گا۔ وہ اگرچہ حضرت مسیحؑ کی شکل میں اللہ نے بھیج دیا لیکن یہودیوں نے ان کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اپنے بس پڑتے سولی پر چڑھوا دیا۔ اگرچہ اللہ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا اور ان کی جگہ ان کا دشمن سولی پر چڑھا جس کی شکل اللہ نے حضرت عیسیٰؑ جیسی کر دی تھی۔ تاہم یہود کے نزدیک ابھی تک ان کا مسیحا نہیں آیا جو گریٹر اسرائیل قائم کرے گا۔ وہ اس کا انتظار کر رہے ہیں لہٰذا قرب قیامت میں کوئی یہودی مسیح ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور دجال کا ذکر احادیث میں ملتا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ Natural Forces پر اسے کنٹرول حاصل ہوگا اور بہت بڑی تعداد میں لوگ اس کی پیروی کریں گے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ "آدمؑ کی تخلیق سے قیامت کے قائم ہونے تک دجال کے معاملے سے بڑا معاملہ اور کوئی نہیں۔ تمام انبیاء نے اس فتنے کی خبر دی ہے۔"

یہ بہت بڑا فتنہ ہوگا اور صرف وہی لوگ جو بہت گہرے ایمان پر قائم ہوں گے یعنی جو اپنے بدن کے پردوں کے اندر اپنی روح کو دیکھ رہے ہوں گے وہ اس کے جال سے بچ سکیں گے۔ اسی دجال کے بارے میں مسلم شریف کی روایت ہے "دنیا کی کوئی ایسی بستی نہیں رہے گی جس کا وہ طواف نہ کرلے اور یہ چالیس دن میں مکمل ہو جائے گا۔"

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ "اس کی سواری کے دو کانوں کے درمیان 80 ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔"

یہ بھی فرمایا کہ "اس کا جو گدھا ہوگا اس کی ایک ٹاپ کے بعد دوسری ٹاپ اتنے فاصلے پر ہوگی جتنا تم ایک دن رات میں سفر کرتے ہو۔" آج تو معاملہ اس سے کہیں آگے بڑھ چکا ہے۔ آج کے جو جیٹ جہاز ہیں ان کی رفتار اس سے کہیں زیادہ ہے۔

کنز کی ایک حدیث میں ہے کہ "وہ ایک ویران علاقے سے گزرے گا اور وہاں کی زمین کو حکم دے گا کہ اپنے سارے خزانے نکال کر باہر رکھ دو تو اس کے سارے خزانے اس کے پیچھے چلنے لگیں گے۔" اسی طرح اس کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرے گا تو وہ صحیح ہو جائے گا۔ وہ مادر زاد اندھے پر ہاتھ پھیرے گا تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ مردوں کو زندہ کر دے گا۔ یہاں تک کہ وہ ایک آدمی کو چیر کر دو حصوں میں تقسیم کر دے گا پھر ان کے درمیان چلے گا، اس کے بعد انہیں سی دے گا اور وہ آدمی زندہ ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک معاملہ یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ شیاطین جن اٹھائے جائیں گے جو لوگوں کے مرحوم والدین، بھائیوں، بیٹوں اور ان کے جاننے والوں کی شکل اختیار کرلیں گے اور اس دجال کی پیروی کی ترغیب دیں گے۔ چنانچہ ایک بڑی تعداد ان چیزوں سے مرعوب ہو کر اس کی پیروی اختیار کرلے گی۔ وہ شخص تو ابھی سامنے نہیں آیا لیکن موجودہ دور میں ہم ان میں سے کسی شے کو انہونی نہیں کہہ سکتے۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا جو عالم ہے وہ ہمارے سامنے ہیں۔

البتہ اس ضمن میں عورتوں کے کردار کے حوالے سے بھی ایک حدیث ملتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "سب سے آخر میں جو نکل کر اس (دجال) کی پیروی کریں گی وہ خواتین ہوں گی یہاں تک کہ ایک بندہ مومن اپنی ماں، بیٹی، بہن کو رسیوں سے باندھ کر رکھے گا کہ کہیں یہ گھر سے نکل کر دجال کے ساتھ شامل نہ ہو جائیں۔"

حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ "جو اس (دجال) کی طرف بڑھیں گے ان میں اکثریت عورتوں کی ہوگی۔ یہاں تک کہ ایک بندہ مؤمن گھر جائے گا اور اپنی پھوپھی، ماں، بیٹی، بہن کو رسیوں سے باندھے گا اس خوف سے کہ کہیں یہ گھروں سے نکل کر دجال کی پیروی نہ کریں۔"

اس فتنہ کے آخری حصہ میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ دجالی فتنہ کا ایک اثر تو افراد کی سوچ اور طرز عمل پر ہے۔ لیکن دور حاضر میں دجالی فتنے کا اصل ہدف اجتماعی نظام ہے۔ چنانچہ آج ابلیسی قوتیں اس اجتماعی نظام کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ یہ اجتماعی نظام گویا تین منزلہ عمارت کی مانند ہے۔ سب سے نیچے عائلی، خاندانی یا معاشرتی نظام ہے، اس کے اوپر اقتصادی نظام ہے جبکہ سب سے اوپر سیاسی نظام ہے۔ دراصل خیر و شر کی یہ کشمکش اس وقت سے جاری ہے جب فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں۔ اس موقع پر ابلیس نے تکبر کیا اور وہ آدمؑ اور ان کی اولاد کا دشمن بن گیا۔ دوسری طرف انسانوں میں شر کے نمائندے یہودی ہیں، جس کا پس منظر یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے آخری نبوت کے لئے بنی اسماعیل کو چن لیا تو یہودی تکبر اور حسد کی آگ میں جل اٹھے۔ اس وقت سے وہ حق کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ آج یہ یہودی ابلیس کے آلۂ کار بن کر انسانیت کو دین سے ہٹا کر اسے حیوانیت کی سطح پر لانا چاہتے ہیں۔

اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ جیسے عمارت بناتے وقت اولاً پہلی منزل بنتی ہے پھر دوسری اور پھر تیسری۔ لیکن گراتے ہوئے پہلے تیسری گرائی جائے گی پھر دوسری اور پھر پہلی، چنانچہ یہودیت اور ابلیسیت نے اسی ترتیب کے مطابق پہلا حملہ تیسری منزل یعنی انسان کے سیاسی نظام پر کیا۔ انہوں نے سیاست کو مذہب سے علیحدہ کر کے سیکولرازم کا نعرہ دیا۔ اس حوالے سے سب سے بڑا شرک اور سب سے بڑے پیمانے پر تاریخ میں جو ہوا وہ یہ ہے کہ انسان خود حاکم ہے۔ آج پوری دنیا میں سیکولرازم اور عوامی حاکمیت کے اصول مسلم ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اقتصادیات کا بیڑا غرق کیا جس میں سود اور جوا تانے بانے کی طرح بن دیا۔ آسمانی شریعتوں کی رو سے سود حرام ترین شے ہے جو اس طریقے سے آج کے معاشی نظام کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے جیسے پورے جسم میں کینسر پھیل جاتا ہے۔ ان دو منزلوں کو کامیابی سے گرانے کے بعد یہود اور ابلیس اب پہلی منزل پر حملہ آور ہیں یعنی انسان میں عصمت اور عفت کے جو تصورات ہیں یہ اب انہیں ختم کرنے کے درپے ہیں۔ انسان فطری طور پر Sex Descipline چاہتا ہے کیونکہ خاندان کے ادارے میں اعتماد اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ جب میاں بیوی کو ایک دوسرے پر اعتماد ہوگا تو ان کے مابین محبت ہوگی اور اس محبت کی فضا میں پروان چڑھنے والی اولاد مثبت سوچ والی ہوگی۔ اگر نہ شوہر کو بیوی پر اعتماد ہو اور نہ بیوی کو شوہر پر تو ایسی فضا میں جو اولاد پلے گی اس کا رجحان منفی ہوگا۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے۔ اس وقت One Parent Family مغرب کا سب سے مسئلہ ہے۔ اگر خاندان کا ادارہ مضبوط ہو تو اولاد کو باپ کی شفقت اور تربیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی نگاہ کو دیکھ کر بچہ اپنی اصلاح کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اولاد کو ماں کی محبت اور شفقت بھی میسر ہوتی ہے۔ جبکہ آج مغرب میں ماں اکیلی ہوتی ہے۔ اسے اپنی اور بچے کی ضروریات پورا کرنے کے لئے کام کرنا ہوتا

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

دانشمندی کا تقاضا

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

ابوالحسن

امریکہ میں تیل کمپنیوں کے نمائندے بش کی حکومت دنیا بھر کے معدنی وسائل پر قبضہ جمانے کے اپنے ایجنڈے پر تیزی سے عمل درآمد کرنے کے لئے تمام قانونی اور اخلاقی ضابطے پاؤں تلے روندرہی ہے۔ بھیڑیا اور بکری کے بچہ کی پرانی کہانی کو دہراتے ہوئے بدنیت امریکہ عراق پر نت نئے الزامات لگا رہا ہے۔ عراق میں طویل عرصہ تک چیف انسپکٹر کی حیثیت سے کام کرنے والے ایک امریکی کی علی الاعلان گواہی کے باوجود کہ عراق کے پاس کوئی تباہ کن یا کیمیائی ہتھیار نہیں ہے بش حکومت دنیا کو پروپیگنڈا کے ذریعے باور کرارہی ہے کہ عراق میں ایسے ہتھیاروں کے انبار لگے ہیں اور کوئی دن جاتا ہے کہ وہ عالمی امن کو تہ وبالا کردے گا لہٰذا دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے عراق کو نہتا کردینا از حد ضروری ہے۔ یہاں ایک انتہائی قابل غور نکتہ یہ ہے کہ امریکہ پہلے عراق میں تباہ کن ہتھیاروں اور کیمیائی و جراثیمی ذخائر کی تباہی کی بات کرتا تھا لیکن اب اس نے عراق کو نہتا کرنے اور صدام کی بدمعاش حکومت کے خاتمے کا ذکر کرنا شروع کر دیا ہے۔ نئی قرارداد صرف دکھاوا ہے امریکہ جب چاہے گا یہ الزام لگا دے گا کہ عراق اسلحہ انسپکٹروں کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا اور اس پر حملہ کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ امریکہ اور سکیورٹی کونسل کے دوسرے ارکان میں نئی قرارداد کی تاویل پر اختلاف ہے۔ چین، روس اور فرانس کا کہنا ہے کہ اگر عراق نے اسلحہ انسپکٹروں سے تعاون نہ کیا تو امریکہ کو حملہ کرنے سے پہلے سلامتی کونسل سے دوبارہ رجوع کرنا ہوگا۔ جبکہ امریکہ کا موقف ہے کہ اس نئی قرارداد کی رو سے اسے اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ محسوس کرے کہ عراق اسلحہ انسپکٹروں سے تعاون نہیں کر رہا تو وہ دوبارہ سلامتی کونسل سے رجوع کئے بغیر عراق پر حملہ کر سکتا ہے۔

دوسری طرف عراق پر حملہ کرنے کی امریکی تیاریاں آخری مراحل میں داخل ہو چکی ہیں۔ امریکہ قطر میں ایک بہت بڑا فوجی ہیڈ کوارٹر تیار کر چکا ہے۔ عراق پر حملہ کے دوران اس ہیڈ کوارٹر کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ صدام کے خلاف گھیرا تنگ کر چکا ہے۔ وہ ہر قیمت پر عراق میں ایسی حکومت لانا چاہتا ہے جو اردن اور قطر کی طرح اس کی تابع فرمان ہو' جو عراق میں امریکہ کی عسکری موجودگی کو قبول کرلے اور اپنی تیل پالیسی مکمل طور پر امریکہ کے سپرد کردے۔ امریکہ یہ سب کچھ اس لئے بھی کر رہا ہے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ سعودی عرب میں حالات امریکہ اور اس کے حمایتیوں کے لئے بہت ناموافق ہو چکے ہیں اور کسی وقت بھی سعودی عرب میں امریکہ مخالف قوتیں فیصلہ کن طاقت حاصل کر سکتی ہیں۔ بہرحال نئی قرارداد کو قبول کر کے عراق اپنے سر سے خطرے کو عارضی طور پر ٹال سکتا ہے لیکن یہ خطرہ مستقل طور پر اور مکمل طور پر ٹل نہیں سکتا۔ اس لئے کہ امریکی عزائم کی تکمیل اقوام متحدہ کی قراردادوں سے نہیں ہو سکے گی۔ امریکہ عراقی تیل پر مکمل قبضہ چاہتا ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک امریکی افواج عراق میں موجود نہ ہوں۔ نئی قرارداد کے ذریعے امریکہ نے صدر صدام کو تختہ دار پر کھڑا کر دیا ہے۔ اگر وہ اسے رد کر دیتا تو عسکری قوت سے عراق کو تباہ و برباد کر دینے کا منصوبہ بالکل تیار ہے اور اگر وہ اسے قبول کر لیتا ہے جیسا کہ صدر صدام نے اسے قبول کر لیا ہے تو پھر صدر صدام کو انسپکٹروں کے ذریعے اس حد تک نہتا کر دو کہ صدام کے اندرون عراق دشمن اسے انتہائی کمزور پا کر اس کی تکہ بوٹی کر دیں اور عراق میں ایک ایسی حکومت قائم ہو جائے جو سب کچھ امریکہ کے حوالے کر دے۔

صدر صدام اگر آج اس حالت کو پہنچے ہیں تو اس کے ذمہ دار صرف امریکہ اور صدر صدام کے دشمن نہیں بلکہ اس کے ذمہ دار وہ خود بھی ہیں۔ اقتدار اور دولت کی لالچ نے صدام کو اندھا کر دیا تھا۔ امریکہ نے انقلاب ایران کے بعد جب خطہ میں اپنے مفادات کے لئے خطرہ محسوس کیا تو عراق کو اچھی طرح مسلح کیا۔ پھر اسے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ ایران انقلاب کی وجہ سے بالکل کمزور ہو چکا ہے اور صدام کے لئے سنہری موقع ہے کہ وہ پچھلے بدلے چکائے اور ایران کو شکست دے کر علاقے کی زبردست طاقت اور غیر متنازعہ قوت بن کر ابھرے۔ عراق نے امریکہ کا آلہ کار بن کر ایران سے جنگ چھیڑ لی پھر برس ہا برس اس جنگ سے پیچھا نہ چھڑا سکے۔ عراق کو جنگ کے نتیجہ میں قوت بن کر کیا ابھرنا تھا اس جنگ کی آڑ میں اسرائیل نے عراق کا ایٹمی پلانٹ تباہ کر دیا۔ صدام حسین نے اس جنگ سے کوئی سبق نہ سیکھا اور نہ حقیقی امریکی عزائم کو سمجھ سکا اور ایک بار پھر امریکی جال میں پھنس گیا اور تیل کی مزید دولت حاصل کرنے کے لالچ میں امریکی انگیخت پر کویت پر حملہ کر دیا اور سعودی عرب کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اس چال سے امریکہ تمام عرب دنیا کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو گیا کہ عراق کا صدر صدام علاقے کے امن و امان اور ان کی حکومتوں کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ غیر عرب اسلامی ممالک میں یہ تاثر پھیلا کہ خلیج کی جنگ میں صدام نے حقیقتاً امریکی ایجنٹ کا کردار ادا کیا جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ امریکہ اس جنگ کے بہانے اپنی فوجیں تیل کے سرچشموں پر پہنچا دے اور عرب کبھی تیل کو بطور ہتھیار استعمال نہ کر سکیں۔ راقم کی رائے میں اس سارے کھیل میں اگرچہ امریکی عزائم یہی تھے کہ وہ عرب میں اپنی فوجوں کی موجودگی میں تیل کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کے امکانات کو ختم کر دے لیکن صدام نے امریکی ایجنٹ کا رول ادا نہیں کیا تھا بلکہ وہ امریکہ کے ہاتھوں نادانستگی اور حماقت میں کھلونا بن گیا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس طرح وہ عرب میں ایک بڑی قوت بن کر ابھرے گا اور جس عرب ممالک کا چاہے گا تیل ہڑپ کر لے گا۔ بہرحال صدر صدام اب اپنے منطقی انجام کو پہنچنے کو ہے۔ چاہے امریکہ اسے جنگی قوت سے ختم کر دے یا اتنا کمزور کر دے کہ اس کے اندرونی دشمن اس کے اقتدار کو ختم کر دیں۔ پاکستان کے سیاست دانوں اور حکمرانوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امریکہ یہی کھیل جنوبی ایشیا میں بھی کھیلنا چاہتا ہے۔ اس نے پاکستان کے فوجی حکمرانوں کو افغانستان کے خلاف استعمال کیا ہے جس سے عوام اور فوج میں خلیج پیدا ہو گئی ہے۔ خصوصاً صوبہ سرحد اور بلوچستان کے عوام میں زبردست ردعمل پیدا ہوا ہے اور اکتوبر 2002ء کے انتخابات میں عوام کا یہ ردعمل ایک حقیقت بن کر سامنے آیا ہے۔ اب ڈاکٹر عامر عزیز جیسے ہر دلعزیز ڈاکٹر کو ایف بی آئی کے ذریعے گرفتار کر کے وہ پنجاب اور فوج میں بھی نفرت کی لہریں پیدا کر رہا ہے تاکہ فوج جو آج بھی پاکستان میں ایک حقیقی قوت ہے عوام دشمن بن کر سامنے آئے اور فوج کی قوت کا انحصار مکمل طور پر

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

روزے اور اعتکاف کی حکمتیں

ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی

روزے کی حکمتیں:

پروردگار عالم نے انسان کی اصلاح کے لئے ہر دور میں کوئی نہ کوئی ضابطۂ حیات بخشا تا کہ انسان اس کی پابندی کر کے اپنی دنیوی اور اخروی زندگی کی کامیابی کے اسباب پیدا کر سکے اور تاریخ شہادت دیتی ہے کہ جن لوگوں نے اس ضابطۂ حیات کا ایمان اور عمل کے ساتھ حق ادا کیا' وہ دنیا میں بھی سرخرو ٹھہرے اور آخرت میں بھی۔ پھر جب ایک ایسا وقت آیا کہ انسانی شعور اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتے ہوئے اپنی بلوغ کی عمر کو پہنچنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کی معرفت' انسان کے لئے اپنا آخری ضابطۂ حیات بھیجا' جس میں وہ احکام اور وہ آداب دیئے گئے' جو قیامت تک کے لئے انسانیت کی فلاح اور اس کی سرفروشی کا سامان بنے' ان احکام اور آداب میں سے کوئی بھی افادیت' عظمت اور اہمیت سے خالی نہیں' مگر روزے کو ان میں ایک خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ قرآن کریم نے اس کی اس اہمیت اور عظمت کی طرف جا بجا اشارے کئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں جا بجا اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لو یعلم العباد...... الخ)) ''اگر لوگ جان لیں کہ رمضان المبارک میں کیا ملتا ہے تو میری اُمت کا ہر فرد تمنا کرے کہ سال کے سارے مہینے رمضان بن جائیں''۔ یعنی رمضان اپنی افادیت اور عظمت میں ایک خاص اور نمایاں مقام رکھتا ہے اور روزے کو انسانی فلاح اور تشکیلِ سیرت میں وہ مرتبہ حاصل ہے کہ جو اسے تمام احکام اور عبادات سے نمایاں کر دیتا ہے۔ جب ہم روزے کی اس حیثیت اور صلاحیت پر غور وفکر سے کام لیتے ہیں تو تب اس کی حکمتیں کھلنے لگتی ہیں اور اندازہ ہونے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقام و مرتبہ کے لحاظ سے اور انسانی خصائص میں نفوذ کے اعتبار سے' روزے کو یہ مقام کیوں حاصل ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ میں روزے کی تین حکمتیں بیان ہوئی ہیں۔

1۔ ہم نے تم پر روزے اس لئے فرض کئے ہیں' تا کہ تم میں تقویٰ کی صلاحیت پیدا ہو۔
2۔ تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر' اللہ کی بڑائی بیان کرو۔
3۔ تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔

ان تینوں حکمتوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روزہ' جس مہینے میں فرض ہوا ہے' یعنی رمضان میں' اس مہینے کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اس میں اللہ کی آخری کتاب نازل ہوئی ہے اور انسانوں کو وہ آخری حیات بخش پیغام ملا ہے کہ جس سے بڑا سرمایہ انسانی تاریخ میں نہ اس سے پہلے موجود تھا اور نہ آئندہ ہو گا۔ روزے اور رمضان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انسان اپنی بنیادی ضرورتوں' انسانی حاجتوں اور طبعی کمزوریوں سے بلند ہو کر قرآن کریم کی تعلیمات کے سائے میں اللہ کے قرب کی منزلیں اس طرح طے کرنے لگتا ہے کہ رفتہ رفتہ اس کی داخلی زندگی میں اللہ کی حاکمیت کے سوا اور اس کی محبت کی آگ کے سوا' کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ بلکہ اس راستے میں حائل ہونے والی ہر چیز اس آگ میں جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے لئے معمول کی زندگی میں ضروریات زندگی اور حوائج نفسانی کا مقابلہ کرنا اور گناہ سے محفوظ رہنا ناممکن ہے۔ لیکن شدید بھوک اور پیاس کی حالت میں اور تنہائی کی زندگی میں' جب کوئی آنکھ اس کی نگران نہیں ہوتی' اس میں بھوک اور پیاس کی شدت کو خاطر میں نہ لانا اور تنہائی میں بھی اللہ کی ذات کو ہر وقت مستحضر رکھنا اور جسم کے ایک ایک جوڑ پر اس کی حاکمیت کا پہرہ بٹھا دینا اور دل کے نازک احساسات پر اس کی محبت کی مہر لگا دینا' یہ وہ چیز ہے جو صرف روزے جیسی عبادات کی وجہ سے انسان کو نصیب ہوتی ہے اور یہی وہ جوہر انسانیت ہے جس کی وجہ سے انسان باقی مخلوقات سے اشرف و افضل ہے اور پھر یہ پاکیزہ زندگی کوئی گھنٹوں کی بات نہیں' بلکہ مسلسل 29 یا 30 دن تک اس کی مشق جاری رہتی ہے کہ دن بھر بھوک' پیاس اور دوسری ضرورتوں کی کمی کا احساس آدمی کو اس ذات کے اعتراف پر مجبور رکھتا ہے' جس نے یہ سب کچھ انسان سے دور کر دیا ہے اور جب رات اپنا سایہ ڈالنے لگتی ہے تو پھر انسان کو اللہ کے تصور اور اس کی معرفت کے حصول کے بعد' اس کے کلام اور اس کے دیئے ہوئے نظامِ حیات سے گہری وابستگی پیدا کرنے کے لئے' اس کو سننے یا سنانے پر لگا دیا جاتا ہے۔ تا کہ آدمی محسوس کر سکے کہ میری داخلی زندگی کو تو روزے نے بیدار کر دی' لیکن میری خارجی زندگی کے بے شمار مسائل ہیں' جن کی گتھیاں نہ میرے تجربے سے کھل سکتی ہیں اور نہ میری عقل سے۔ زندگی کے کتنے ایسے مراحل ہیں کہ جس میں آدمی تہی دامن ثابت ہوتا ہے اور کتنے اجتماعی اور قومی احساسات ہیں' جہاں انسان کا اجتماعی احساس بھی اپنی کوتاہ دامنی کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہتا۔ آدمی ان تمام تر درماندگیوں اور بے بسیوں کو لے کر جب رات کو تنہائی میں اس حیات بخش پیغام کو سنتا ہے تو پھر اس میں غور کرتا ہے' تب اس کو احساس ہونے لگتا ہے کہ یہ اللہ کا کتنا کرم ہے کہ جہاں اس کی دی ہوئی تمام صلاحیتیں میری راہ روشن کرنے سے عاجز رہ گئی ہیں اور میں زندگی کے گرداب میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگا ہوں تو اس نے قرآن جیسی دولت دے کر میری دستگیری فرمائی ہے۔ اب اصولِ حیات میں کوئی ایسی اصل نہیں' جس کی راہ اس نے اس کتاب میں نہ دکھائی ہو اور نازک سے نازک احساس کا کوئی ایسا اندھیرا نہیں' جس کو اس نے اس کتاب کی روشنی سے روشن نہ کر دیا ہو۔ آدمی اس طرح 30 دن اور تیس راتوں میں ان دو اعترافات کے ساتھ جب پورا مہینہ گزارتا ہے تو تب اللہ تعالیٰ اس رمضان کی حکمتیں اس پر کھولتا ہے اور آدمی سراپا شکر و سپاس بن کر اس کا شکر ادا کرنے لگتا ہے۔ اس کی عظمتوں کے گن گانے لگتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اسے وہ دولت ملتی ہے' جس کو تقویٰ کہتے ہیں۔ یعنی دل کا وہ میلان' جو نیکی کی طرف لپکتا جائے اور برائی سے ایسی نفرت کہ برائی کو دیکھتے ہی وہ یہ سمجھے جیسے وہ جلا دینے والا انگارہ ہے اور اس کے قریب جانے کی ہمت بھی آدمی سے سلب ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جس آدمی کو یہ دولت مل گئی اس نے زندگی کا راز پا لیا کہ پھر وہ صرف اپنے لئے نہیں جیتا' بلکہ دوسروں کے لئے جیتا ہے۔ وہ اپنی اولاد کے لئے' اپنے ماں باپ کے لئے' اپنے عزیز و اقرباء کے لئے' اپنے ہمسایوں کے لئے' بلکہ پوری نوع انسانی کے لئے سایہ رحمت بن جاتا ہے۔ اور اقبال کے اس شعر کی تصویر بن جاتا ہے کہ

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ راز اس نے پایا انہی کے جگر میں

اس لئے رسول اکرم ﷺ نے اس مہینے کو ''شہر المواساۃ'' یعنی خیر خواہی کا مہینہ اور ''شہر الصبر'' یعنی صبر کا مہینہ قرار دیا۔ یعنی انسان اللہ کی بڑائی کے تصور کو پا لینے کے بعد اور تقویٰ کی صفت سے بہرہ ور ہونے کے بعد' خیر خواہی کا پیکر بن جاتا ہے اور اپنے پاؤں میں صبر کی زنجیر ڈال لیتا ہے۔ اب وہ اپنے لئے کم اور دوسروں کے لئے زیادہ جیتا ہے۔ اپنی ضرورتیں روک کر دوسروں کی ضرورتیں پوری کرتا

ہے۔ خود غم کے گھونٹ پی کر دوسروں میں خوشیاں بانٹتا ہے۔ خود بھوک کے مزے لیتا ہے اور دوسروں میں خوش حالی کی دولت تقسیم کرتا ہے۔ اس کی خود اختیاری بھوک اور پیاس' اسے بھوکوں اور پیاسوں کی تکلیف کا احساس دلاتی ہے۔ اس کے اندر اللہ کی محبت میں مضطرب رہنے اور شیطانی قوتوں سے نبرد آزمائی کی جرأت پیدا کرتی ہے۔ اس طرح وہ سراپا بندگی' عاجزی' خیر خواہی اور محبت کی تصویر بن کر اس مہینے میں جب کوئی عبادت کرتا ہے تو اس کی عبادتیں بھی بے حد وحساب اجر کی مستحق ٹھہرتی ہیں اور اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا موجب بنتی ہیں اور پھر یہ رات دن کی ریاضتیں اس کے اندر ایک ایسی محبوبیت کی صفت پیدا کر دیتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس کے خالی معدے کی بو اللہ تعالیٰ کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہو جاتی ہے۔ اس ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کی مانگی ہوئی دعائیں بھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ غور کیا جائے تو یہی وہ سعادتیں ہیں' جو انسانی زندگی کو پاکیزگی' ہمواری اور خوش حالی کا پیغام دے سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے مبارک مہینے میں زیادہ سے زیادہ سعادت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین

اعتکاف کی حکمتیں:

اسلامی تعلیمات پر غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کی تمام تعلیمات کا مقصد صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ انسان کی داخلی اور خارجی اصلاح اس طرح کی جائے کہ اس کی پوری زندگی اللہ کی بندگی کی تصویر بن جائے اور اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہو۔ یہی وہ چیز ہے جو عبادات سے لے کر معاملات تک' انفرادی احکام سے لے کر اجتماعی احکام تک' فرد سے لے کر معاشرے تک اور گھر سے لے کر' ریاست تک تمام احکام میں روح کی طرح کارفرما نظر آتی ہے۔ نماز انسان کا قبلہ درست کرتی ہے اور اس کو پانچ وقت اس کا بندہ ہونے کی یاد دلاتی رہتی ہے۔ روزہ ایک مسلمان کے احساسات اور انفعالات کی دنیا میں کامل بندگی کا رنگ بھرتا ہے۔ زکوٰۃ' مالی تطہیر کے ساتھ ساتھ حق مالکیت میں بندگی کا احساس دلاتی ہے۔ حج ان تمام مقاصد کے حصول کے لئے ایک اجتماعی عبادت ہے' جس میں ہمہ جہت اور ہمہ پہلو بندگی کا احساس لے کر آدمی اللہ کے گھر سے واپس آتا ہے۔ لیکن یہ تمام عبادات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تمام احساسات ایسے ہیں' جس میں خارجی زندگی کے تکلفات کی آمیزش شامل رہتی ہے۔ آدمی بندگی کے گہرے احساس کے باوجود دوسری بندگیوں سے یکسر لاتعلق نہیں ہو پاتا۔ پروردگار چونکہ اپنے ماننے والوں کو اپنا ہی بندہ دیکھنا چاہتا ہے' اس لئے اس نے اعتکاف کی ایک ایسی عبادت مرحمت فرمائی ہے' جس میں ایک مومن کو اس طرح کا موقع مہیا کیا گیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی خارجی زندگی کو داخلی زندگی کے ہم رنگ بنا کر' اپنے احساسات کو شعور بندگی کے تابع کر کے' بیرونی آلائشوں کو ہر طرح جھٹک کر' ایک ایسی روشنی کے جلو میں اپنے مالک کی طرف فرزانگی اور دیوانگی کے مابین اس طرح بڑھ سکتا ہے کہ جس کے بعد شاید انسان کے لئے اور بندگی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ جاتا۔

اعتکاف کیا ہے؟ ہر طرف سے کٹ کر' ہر دروازہ چھوڑ کر' ہر تعلق توڑ کر' ہر آستانے سے بے نیاز ہو کر' ہر تعلق سے منہ موڑ کر' ہر محبت سے پہلو بچا کر' صرف اللہ کے آستانے پر پڑ جانا اور پھر مسلسل کئی روز تک پڑے رہنا' اس عزم و ارادے کے ساتھ۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

انسانی زندگی کی بعض کمزوریاں عجیب ہیں۔ وہ کائنات کے ہر افق پر جھانکنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمین کی پہنائیوں میں اور سمندر کی تاریکیوں میں بھی دیکھ لینا اس کے لئے مشکل نہیں' مگر اپنی داخلی زندگی میں جھانکنا اس کے لئے ہمیشہ مشکل رہا ہے۔ وہ دنیا بھر کے عیب ڈھونڈ لیتا ہے' مگر اپنے عیوب پر اس کی کبھی نظر نہیں پڑتی۔ اعتکاف آدمی کو اپنی داخلی زندگی کے مشاہدے اور مطالعے کا موقع مہیا کرتا ہے۔ آدمی بار بار اپنے اندر جھانکتا ہے اور پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا میں اس سیرت و کردار کے ساتھ اپنے آقا کے سامنے حاضری دے سکوں گا اور اب جبکہ اس کے آستانے پر آ پڑا ہوں تو کیا میرے اندر کی آلودگیاں اس آستانے کو گندہ نہ کر دیں گی؟ جیسے جیسے یہ سوچ توانا ہوتی جاتی ہے' آنکھوں سے ندامت اور شرمندگی کے آنسوؤں کی برکھا برسنے لگتی ہے اور کچھ زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ اللہ کی رحمت اپنے بندے کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور پھر جب یہ بندہ اپنے رب کی رحمت کی طلب میں آگے قدم بڑھاتا ہے تو اعتکاف کی فرصتیں اس کے اندر ایک اور طلب پیدا کر دیتی ہیں کہ اب اللہ کے پڑوس میں آ ہی گیا ہے اور اس کے آستانے پر سر رکھ کر بیٹھ ہی گیا ہے تو اس نے شب قدر کی صورت میں تمہارے لئے عنایتوں اور نوازشوں کا ایک قیمتی موقع مہیا کر رکھا ہے۔ کوشش کر کے ان راتوں میں اسے بھی ڈھونڈ لے۔ اب یہ اعتکاف کی راتیں جہاں داخلی زندگی کے مشاہدے میں گزرتی ہیں' وہاں اللہ کی اس رحمت اور عنایتوں کی منزل کو شب قدر کی صورت میں ڈھونڈنے میں بھی صرف ہوتی ہے اور کوئی بڑی بات نہیں کہ پروردگار اپنے اس بندے کو اس بڑی سعادت سے بھی بہرہ ور فرمادے۔

یہ محبت بھی عجیب چیز ہے۔ جب اس کی آگ دل میں دھک اٹھتی ہے تو جہاں وہ محبوب کے علاوہ ہر تعلق اور ہر احساس کو بھسم کر کے رکھ دیتی ہے' وہاں اس کے شعلے بعض دفعہ فرزانگی کی دنیا کو بھی جلا کر راکھ کر دیتے ہیں اور محبت کرنے والے کو یہ محبت دیوانگی کی اس دنیا میں داخل کر دیتی ہے' جہاں فرزانگی کا کبھی گزر نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اس کی پوری زندگی کا ہر فیصلہ سود و زیاں کے تصور سے بالا ہوتا ہے۔ اس کے پاس جو کچھ ہے' وہ اسے کھو دینے میں اپنی معراج سمجھتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ محبت ہمیشہ اس دل میں آیا کرتی ہے' جو دل اس کے سوا ہر تمنا اور ہر تصور سے پاک ہو اور پھر اس کی زندگی اقبال کے الفاظ میں اس شعر کی تصویر ہوتی ہے کہ

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
ہر دم جواں پیہم دواں ہر دم رواں ہے زندگی

یہ ہے وہ انتہائی منزل' ایک مومن اپنی بندگی کی دنیا میں جس کی خواہش کر سکتا ہے۔ اس منزل کی طلب پیدا کرنا' اعتکاف کی اصل غایت اور حکمت ہے۔

(بشکریہ: ماہنامہ تدبر قرآن نومبر 2002ء)

مغرب کی طرف سے اسلام پر دہشت گردی کا لیبل چسپاں کرنے اور حالیہ انتخابات میں متحدہ مجلس عمل کی کامیابی کے بعد بہت سے ذہنوں میں اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی امر ہے کہ دور حاضر میں حکمرانی کے اسلامی اصول کیا ہوں گے؟
اپنے ذہنوں میں پیدا ہونے والے ایسے سوالوں کے جوابات کے لئے نئی شائع ہونے والی کتاب

عہد حاضر میں
مثالی اسلامی ریاست کے خدوخال
خلافت راشدہ کے تناظر میں

کا مطالعہ کیجئے
خوبصورت' دیدہ زیب سرورق
صفحات: 176 قیمت: 80 روپے
ملنے کا پتہ: قرآن اکیڈمی' 36 کے' ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 5869501-03

مبتدی تربیت گاہ

22 دسمبر 2002ء سے مرکز تنظیم اسلامی' گڑھی شاہو لاہور میں مبتدی تربیت گاہ منعقد ہو رہی ہے۔ رفقاء و احباب زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس تربیت گاہ میں شریک ہوں۔

اسلام کی احیائی تحریکیں اور عالم اسلام

''ندائے خلافت'' میں دو نئے قسط وار سلسلوں کا اضافہ

''ندائے خلافت'' میں یہ نئے ورق کھولنے کی ضرورت اس شعورِ ذات اور خود آگہی سے پیدا ہوئی ہے جو 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ کے سر بہ فلک ٹریڈ سنٹر کے آناً فاناً تودۂ خاک ہونے کے بعد' صدر بش کے لاشعور میں بھڑکتی ہوئی ''کروسیڈ'' کی آتشِ انتقام نے کرۂ ارض پر آباد ہر مسلمان کے قلب وضمیر میں پیدا کر دیا ہے۔ بے شک صدر بش نے دوسرے ہی دن عالمی سیاسی مصلحتوں کے تحت اُمتِ مسلمہ سے زبانی کلامی معافی مانگ لی تھی' لیکن اس نے قلباً وعملاً اپنے حواری ملکوں کے تعاون سے دنیائے اسلام کو اپنی جارحانہ عسکریت ومعیشت میں لپیٹنے کا دائرہ سخت تنگ کر دیا ہے۔ ''گیارہ ستمبر'' کی شام سے پہلے مسلمانانِ عالم کے خلاف جو شاطرانہ اور خفیہ چالیں پیچھے پیچھے کی جا رہی تھیں' گیارہ ستمبر کی شب کے بعد وہ خنجر بکف ہوکر عریاں ہوگئیں۔ اس کے ردِّعمل میں مسلمانانِ عالم بھی' جو افیونیوں کی طرح صدیوں سے کرب و اضطراب میں' سوچ میں پڑے رہتے تھے' اپنے صدیوں کے طویل خوابِ گراں سے چونکے' اور انہیں اپنی ذات کا شعور ہونے لگا اور دردِ آگہی نے انہیں بیدار کر کے نعرہ زن کر دیا۔

جغرافیائی حالات: آیئے ایک دفعہ پھر ذرا نئی نظر سے' ایک نظر دنیا کے نقشے پر دوڑاتے ہیں۔ انڈونیشیا سے مراکش تک جو وسیع ہلالی حلقہ قائم ہے' وہ زبردست مسلم آبادی ہے۔ مسلم انڈونیشیا بحرالکاہل کے ساحل پر سنتری کی طرح کھڑا ہے تو مسلم مراکش بحر متوسط (بحیرہ روم) کے نکڑ کا پہرے دار ہے' اور آج اگر جبل الطارق مسلمانوں کے قبضہ و اختیار میں نہیں ہے تو اس کے مقابلے میں مراکش کا شہر طنجہ مسلمانوں کی اہم چوکی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا براعظم افریقہ مسلم اکثریت کا براعظم ہے' جہاں 62 فیصد سے بھی زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ یونان' اٹلی' سپین اور فرانس سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو بحرِ متوسط عالمِ اسلام کا گھریلو تالاب نظر آتا ہے۔ اس بحر کا 65 فی صد حصہ آج بھی مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ نہر سویز اور بحر قلزم کی مشہور بین الاقوامی آبی شاہراہیں بھی مسلمانوں کی ہیں اور وہ خلیج فارس بھی' جس پر ایک مدت سے بڑی طاقتوں کی حریصانہ نظریں لگی ہوئی ہیں' مسلمانوں ہی کی ہیں۔ اور باب المندب بھی مسلمانوں ہی کا ہے اور دردانیال اور باسفورس پر ترکی بیٹھا ہوا ہے۔ اب مشرق میں آیئے۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا کا محلِ وقوع ایسا ہے کہ جس کسی کو بھی گزرنا ہے' انہی دونوں کے بیچ سے گزرنا ہے۔ پھر آبنائے ملاکا بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور جزائر مالدیپ بھی۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے سنگم پر' بحر عرب کے ساحل پر پاکستان کھڑا ہے اور خلیج بنگال میں بنگلہ دیش۔

سید قاسم محمود

عالمِ اسلام کی سیاسی' جغرافیائی اور عسکری اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ امریکہ کو چھوڑ کر چار براعظموں (ایشیا' افریقہ' یورپ اور آسٹریلیا) کے بری' بحری اور فضائی راستوں کا باہمی رابطہ اس خطے میں سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔ افریقہ اور ایشیا کے سمندر اور بحیرہ روم کی تنگ پٹیاں' جو بین الاقوامی تجارت کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہیں' وہ عالمِ اسلام میں واقع ہیں۔ اس بین الاقوامی شہ رگ کو دبانے اور بند کرنے کی طاقت بھی عالمِ اسلام کو حاصل ہے' اور اگر یہ چاہے تو بین الاقوامی اقتصادی زندگی مفلوج کر کے رکھ سکتا ہے۔

زرعی و معدنی دولت: اس قدرتی اور جغرافیائی خصوصی فوائد کے علاوہ زرعی اور معدنی دولت بھی مسلم دنیا کو بدرجۂ اتم ودیعت ہوئی ہے۔ دنیا کی کل پیداوار میں مسلم دنیا کی پیداوار کا تناسب ملاحظہ ہو: پٹ سن 90 فی صد' قدرتی ربڑ 70 فی صد' عربی گوند 85 فی صد' مسالے 97 فی صد' کھجور اور اس کا تیل 65 فی صد' کپاس 35 فی صد' معدنیات میں سے ٹن 51 فی صد اور فاسفیٹ 32 فی صد۔ یہ بالکل اجارہ داری کی سی صورت ہے۔ اس کے علاوہ کچا لوہا' قدرتی گیس' تانبا' ایلومینیم' کوئلہ' باکسائٹ' مینگانیز' کرومائٹ' یورینیم' سونا' چاندی اور کوبالٹ میں بھی اسلامی ممالک ثروت مند اور زرخیز ہیں۔ پٹرول اور تیل کی پیداوار میں بھی مسلم دنیا کو ایک طرح کی اجارہ داری حاصل ہے۔ صرف مشرق وسطیٰ میں دنیا کی کل پیداوار کا 40 فیصد تیل نکلتا ہے۔

عددی طاقت: مسلم دنیا کی عددی طاقت کو مختصراً یوں سمجھئے کہ دنیا میں ہر چوتھا آدمی مسلمان ہے۔ 2002ء میں دنیا کی آبادی چھ ارب سے تجاوز کر چکی ہے۔ ان میں مسلمانوں کی کل تعداد ڈیڑھ ارب کے قریب ہے۔ آزاد و خود مختار مسلم ممالک کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔ اسلامی سربراہی کانفرنس (او آئی سی) کے رکن ممالک کی تعداد 56 ہے۔

اقتصادی حالت: ان 56 ممالک کی اقتصادیات مکمل طور پر مغرب کے رحم و کرم پر ہے۔ مغرب جب چاہے' مسلمانوں کا گلا گھونٹ دے۔ جب چاہے' اپنی گرفت ڈھیلی چھوڑ دے۔ پوری مسلم دنیا مل کر تمام دنیا کی مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) کے صرف چار فی صد کی مالک ہے۔ ان چار فی صد میں سے بھی تین فی صد پیداوار تیل پیدا کرنے والے ملکوں کے حصے میں آتی ہے۔ دنیائے اسلام میں اقتصادی تضاد کی یہ صورت ہے کہ انتہائی امیر مسلم ملکوں کے ساتھ انتہائی غریب مسلم ممالک بھی رہ رہے ہیں۔ سعودی عرب کی آبادی کل مسلم دنیا کی آبادی کا فقط 1.3 فی صد ہے' لیکن اس کی سالانہ آمدنی مسلم دنیا کی کل سالانہ آمدنی کا 13 فی صد ہے۔ پاکستان کی آبادی مسلم دنیا کی کل آبادی کا 15 فی ہے' لیکن اس کی سالانہ مجموعی آمدنی مسلم دنیا کی کل آمدنی کا فقط 4 فیصد ہے۔

خوراک: خوراک کے معاملے میں بھی مسلم دنیا خود کفیل نہیں ہے' حالانکہ اکثر و بیشتر ملکوں کا تعلق و انحصار زراعت پر ہے۔ مسلم دنیا اپنی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لئے غیر مسلم ملکوں کی محتاج ہے۔ غیر ملکی امداد اور عالمی بینکوں کے قرضے جو شگوفے کھلا رہے ہیں' وہ سب کو معلوم ہے۔ ہماری خود مختاری اور آزادی کی لگام دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی ہے۔ منصوبہ بندی اتنی ناقص ہے کہ تمام کے تمام اسلامی ممالک خوراک کے معاملے میں خسارے اور محتاجی میں جا رہے ہیں۔

باہمی تجارت: اسلامی ملکوں میں باہمی اقتصادی تعاون و تجارت نہ ہونے کے برابر ہے۔ مسلم دنیا کی موجودہ کل تجارت تقریباً 110 ارب ڈالر ہے' لیکن اس میں سے

برادر اسلامی ملکوں کی باہمی تجارت فقط **14** ارب ڈالر پر مشتمل ہے۔ دفاعی استحکام اور سلامتی کا یہ حال ہے کہ موجودہ مسلح افواج کی تعداد نیٹو اور (سابقہ) وارسا پیکٹ کی مشترکہ فوجوں سے بھی زیادہ ہے' لیکن اس کے باوجود فلسطین' کشمیر' افغانستان' بوسنیا' چیچنیا (اور اب عراق) وغیرہ میں جارحیت کا زبانی کلامی بھی جواب نہیں دیا جا سکا۔

ذہنی افلاس: ذہنی افلاس اور تعلیمی غربت کی بھی مسلم دنیا میں کوئی کمی نہیں' حالانکہ اقتدار اور آزادی کی کلید ''تعلیم'' ہوتی ہے۔ تین چوتھائی اسلامی ممالک ایسے ہیں جو اپنے سالانہ بجٹ کا چار فی صد بھی تعلیم پر خرچ نہیں کرتے۔ عصرِ حاضر جو سائنس بلکہ کمپیوٹر سائنس کا دور ہے' اس میں حالت یہ ہے کہ پوری مسلم دنیا سائنس و ٹیکنالوجی پر اپنی مجموعی قومی پیداوار کا **0.5** فی صد سے بھی کم خرچ کرتی ہے۔ ہر دس لاکھ مسلمانوں میں صرف ایک سائنس دان ملتا ہے۔

سیاست وحکومت: مسلم دنیا میں اب تک کوئی موثر اور قابلِ قبول سیاسی نظام وجود میں نہیں آ سکا۔ کہیں بادشاہت ہے' کہیں فوجی آمریت۔ کہیں پارلیمانی جمہوریت کا تجربہ ہو رہا ہے تو کہیں صدارتی طرزِ حکومت کا۔ کہیں امراء کی حکمرانی ہے تو کہیں شیوخ کی حکومت ہے۔ یک جماعتی نظام کا تجربہ بھی کہیں کہیں ہوا ہے۔ لیکن یہ سب تجربے ناکام ہو گئے۔ زیادہ تر رجحان خود مختار مرکزیت اور مطلق العنان آمریت کا ہے۔ ''خلافت'' جو کہ اسلام کے سیاسی نظام کی رُوح ہے' وہ تو بہت دُور کی بات ہو کر رہ گئی ہے جبکہ حقیقت میں وہی دنیائے اسلام کے سیاسی و معاشی امراض کا مداوا ہے۔ مسلم ممالک کا اندرونی نظام بھی بہت کمزور' بودا اور نازک ہے۔ ذرا سی طاقت کے استعمال یا بے احتیاطی سے ٹوٹ پھوٹ سکتا ہے۔ ادارے مستحکم نہیں۔ بنتے ہیں' بگڑ جاتے ہیں۔ پھر بنتے ہیں' پھر بگڑ جاتے ہیں۔

نشاۃ ثانیہ کی آرزو: مذکورہ بالا بے شمار اندرونی' بیرونی' بین الاقوامی' اقتصادی' سیاسی' روحانی و باطنی مسائل کے باوجود دنیائے اسلام میں (خصوصاً افغانستان میں مغرب کی حالیہ سفاکانہ اور وحشیانہ کارروائیوں کے بعد) ایک نئی امنگ' آزادی کی نئی تڑپ' اسلامی نشاۃ ثانیہ اور احیائی و تجدیدی تحرک کی نئی آرزو پیدا ہوئی ہے۔ اسلامی ممالک پارہ پارہ ہونے کے باوجود اپنی اپنی جگہ' اپنے اپنے دائرے میں' اپنی اپنی حیاتِ اجتماعی کی تعمیرِ نو کے نئے چیلنج کے زیر اثر جہاں رائج الوقت نظریات و افکار پر غور کر رہے ہیں' وہاں اسلام کی حقانیت پر تفکر و تدبر بھی ہو رہا ہے۔ پیش آمدہ حالات و جبر کے حوالے سے اسلام کی تفہیم و تعبیر کا عمل یوں تو ہمیشہ جاری رہا ہے' یونانی فلسفہ ہو یا مغربی تہذیب' مسلمان مفکروں اور اہلِ علم و دانش نے اس کے بارے میں اپنا رویہ متعین کرنے سے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ پچھلی تین صدیوں میں' جب سے دنیائے اسلام مغرب کی محکوم ہوئی ہے' مفکروں اور دانشوروں نے بہت سے دستوری و قانونی مسائل پر اجتہادی رویہ اپنایا۔ شاہ ولی اللہ' سید جمال الدین افغانی' مفتی محمد عبدہ' حسن البنا شہید' سید قطب شہید' محمد رشید رضا' قاسم امین' توفیق الحکیم' ضیا گوکلپ' علامہ اقبال' ڈاکٹر علی شریعتی' مولانا مودودی' ڈاکٹر اسرار احمد اور دوسرے بہت سے اہلِ علم و قلم نے درپیش علمی و فکری چیلنجوں کا اپنے اپنے انداز میں جائزہ لیا اور اپنی بصیرت کے مطابق مسلمانوں کے لئے بہترین لائحہ عمل کی نشاندہی کی۔

متعدد اسلامی ملکوں میں احیائے اسلام' تجدیدِ دین اور نفاذ اسلام کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اجتہاد کے ذریعے روایات و رسوم کو جدیدیت سے ہم آہنگ کیا جا رہا ہے' بدعتیں دُور کی جا رہی ہیں۔ اس راہ پر عالمِ اسلام بڑھ بھی رہا ہے' جھجک بھی رہا ہے۔ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں کرتے ہوئے امید کی کرن کی طرف بڑھنے کا منظر بھی پیش کرتا ہے۔ اب شعورِ ذات اور خود آگہی کا مرحلہ آ گیا ہے۔ عامۃ المسلمین میں اپنی آزادی اور اپنے تشخصِ اسلامی کی پاسداری کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ زمانہ ایک نئی کروٹ لے رہا ہے۔ انقلاب برسرِ اقتدار طبقے کی دہلیز پر ہے۔ اب حکمران طبقوں کے لئے اسلام کو اپنے تحفظ و استحصال کے وسیلے کے طور پر استعمال کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اسلام کی فعالیت اور انقلابی تحریک میں روز بروز شدت پیدا ہو رہی ہے۔ تعبیر' تفہیم' تفسیر' اجتہاد' خیال افروزی' خرد افروزی' عقل و عشق' یہ سب اصطلاحیں اب ''نشاۃ ثانیہ'' کے جذبے کے تابع ہو گئی ہیں۔ ماضی کے تقاضوں اور حال کی ضرورتوں میں ایک نقطۂ اعتدال تلاش کیا جا رہا ہے۔ مستقبل ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو جانتے ہیں کہ ماضی کے بوجھ تلے ڈوبنے سے بچنے کا طریقہ کیا ہے۔ مستقبل میں جینے کی آرزو' ماضی میں جینے کی آرزو سے بڑھ گئی ہے۔

''ندائے خلافت'' میں جو دو نئے قسط وار سلسلے شروع کئے جا رہے ہیں' وہ درحقیقت ماضی کے تقاضوں اور حال کی ضرورتوں میں ایک نقطۂ اعتدال پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ ماضی قریب میں اسلامی ملکوں میں جو اسلامی احیائی تحریکیں برسرِ پیکار رہی ہیں' اُن کی تاریخ مرتب کرنے کی ذمہ داری جناب سید قاسم محمود نے قبول کر لی ہے۔ حال کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے موجودہ دنیائے اسلام میں وقوع ہونے والے فکری و سیاسی حالات کی ایک مختصر ہفتہ وار رپورٹ مدیرانِ ''ندائے خلافت'' کی جانب سے پیش ہوتی رہے گی۔

یہ دونوں سلسلے مستقبل میں جینے کی آرزو کے ساتھ' جو ماضی میں جینے کی آرزو سے زیادہ شدید ہوتی ہے' آئندہ شمارے سے ہدیۂ قارئین ہوں گے۔

KHALID TRADERS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

NTN

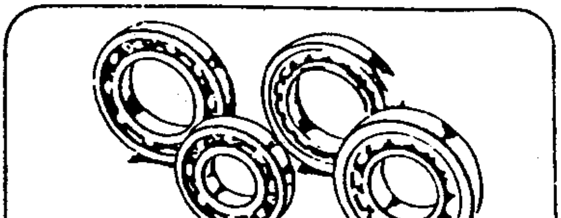

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan
G.P.O. Box # 1176 Phones : 7732952 - 7730595 Fax : 7734776 - 7735883
E-mail : ktnin@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : SIND BEARING AGENCY, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan) Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan Phones 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) . 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

''قائداعظم اور مسلم تشخص''

ایک نئی کتاب کا تعارف

سید قاسم محمود

''ندائے خلافت'' کے قارئین کو یاد ہو گا کہ اگست 2000ء میں روزنامہ ''ڈان'' کے کالم نگار اردشیر کاؤس جی نے پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں قائداعظم کے خطبۂ صدارت کے ایک فنی و قانونی نوعیت کے جملے پر سیاست کارانہ موشگافیوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قائداعظم سیکولر (لادین) ذہن کے آدمی تھے۔ اُس وقت محترم ڈاکٹر اسرار احمد' ڈاکٹر صفدر محمود اور پاکستان کے دوسرے نامور اہلِ فکر و دانش نے کاؤس جی کے اِس خیال کے خلاف اخبارات میں صدائے احتجاج بلند کی تھی' لیکن ایک صاحب ایسے بھی تھے جنہوں نے جواب تو نہیں لکھا لیکن اپنے اعصاب پر یہ سوال طاری کر لیا: ''کیا قائداعظم واقعی سیکولر ذہن کے آدمی تھے یا دینِ اسلام سے لگاؤ رکھتے تھے؟'' یہ صاحب تھے ڈاکٹر خالد علوی' مشہور عالم' محقق' محدث' دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی کے ڈائرکٹر جنرل' مصنف جو ''اصول الحدیث'' ''حفاظتِ حدیث'' اور ''انسانِ کامل'' جیسی اعلیٰ پایے کی علمی و تحقیقی تصانیف پیش کر کے شہرتِ عام حاصل کر چکے ہیں۔

اس سوال کا کھوج لگانے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کا لمبا سفر اختیار کیا۔ اردو اور انگریزی کی سینکڑوں کتابوں کا مطالعۂ خاص کیا۔ قائداعظم کے تمام خطبات' تقاریر اور بیانات کا مطالعہ دقت نظری سے کیا۔ پرانے اخبارات کی فائلوں کا ایک ایک ورق کھنگال ڈالا' اور اشارات و اقتباسات کا ایک انبار ذخیرہ کر لیا جو حسنِ انتخاب' حسنِ تالیف' حسنِ ترتیب اور حسن طباعت کی چلیوں میں پِستا ہوا ایک نئی کتاب '' قائداعظم اور مسلم تشخص'' کی صورت میں تازہ تازہ چھپ کر آ گیا ہے۔ اپنے موضوع پر واحد کتاب (275 صفحات) کا ایک ایک صفحہ' ایک ایک پیراگراف' ایک ایک لفظ یہ شہادت دیتا ہوا نظر آتا ہے کہ قائداعظم ہرگز سیکولر نہیں تھے' بلکہ انہیں اسلام اور رُوحِ اسلام سے قلبی لگاؤ اور روحانی شیفتگی تھی۔ اردشیر کاؤس جی اور اُن کے ہم خیال دانشوروں کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: '' قائداعظم کے اسلامی عقیدے کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تحریکِ پاکستان کے دوران بھی ایسا ہی طوفان اٹھایا گیا تھا۔ چونکہ آپ کا طرزِ حیات مغربی تھا' مغربی لباس پہنتے تھے' مغربی اطوار کو پسند کرتے تھے اور انگریزی زبان میں بات کرتے تھے اس لئے بعض لوگوں کو ایک موضوع ہاتھ آ گیا' جسے وہ مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں''۔

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں: '' قائداعظم کی تقریروں اور اُن کے بیانات کو پڑھیں تو اس اسلام' اسلامی روایات' قرآن' حضور اکرم ﷺ کے حوالے اس طرح سجے ہیں جیسے نگینے۔ اسلام اور اسلامی روایات اِن بیانات کی رُوح ہیں' لیکن ظالم لوگ ہیں کہ اُنہیں لادین ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں''۔

فاضل مؤلف بڑے تعجب سے سوال کرتے ہیں: ''ایک ایسا شخص جس نے نوجوانی میں بیرسٹری کی تعلیم کے لئے ''لنکنز ان'' میں داخلہ لینے کا فیصلہ اِس لئے کیا ہو کہ اُس کے استقبالیہ دروازے پر آویزاں دنیا کے عظیم قانون سازوں کی فہرست میں رسولِ کریم ﷺ کا نامِ نامی بھی شامل تھا' جس نے پارسی دوشیزہ رتی ڈنشا سے نکاح کرنے سے پہلے اُسے مسلمان کیا' جس نے مولانا شوکت علی کے مشورے سے ہجرِ جمیل کیا' یعنی جب اُس کی بیٹی نے باپ کی مرضی کے خلاف ایک پارسی نوجوان سے شادی کا فیصلہ کیا تو اُس نے زندگی بھر بیٹی سے کوئی تعلق نہ رکھا' کیا ایسا شخص سیکولر ہو سکتا ہے؟''

ڈاکٹر علوی نے قائداعظم کے ہم عصر علماء و مشائخ کی قیمتی آراء اور بیانات کے حوالے دے کر اپنی رائے کو مستحکم کیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی' مولانا شبیر احمد عثانی' مولانا مفتی محمد شفیع' مولانا حسرت موہانی' مولانا ظفر احمد عثانی' مولانا ظفر علی خان' مولانا عبدالحامد بدایونی' مولانا محمد علی جوہر' مولانا شوکت علی' اور تو اور مجتہد العصر علامہ اقبال نے بھی محمد علی جناح کو اپنا رہبر و قائد تسلیم کیا تو صرف ایک وجہ سے کہ وہ اسلام کا سچا نام لیوا اور مسلمانوں کا مخلص رہنما تھا۔

مولف نے اکابرینِ وقت کی تحریروں اور تقریروں سے جو اقتباسات حوالے کے طور پر دیئے ہیں' اُن سے پوری کتاب بھری پڑی ہے۔ پیر جماعت علی شاہ نے 27 اپریل 1946ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''محترم جناح صاحب کو کوئی کافر کہتا ہے' کوئی مرتد بتاتا ہے' کوئی شیعہ ٹھہراتا ہے' لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ ولی اللہ ہے۔ وہ لوگ اپنی رائے سے یہ کہتے ہیں' لیکن میں قرآن مجید (سورہ مریم' آیت 96) کی رُو سے کہتا ہوں۔ سنو اور غور سے سنو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام لئے' اُن کے لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتا ہے۔ آپ لوگ بتائیں' کیا کوئی مائی کا لال مسلمان ہے جس کے ساتھ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان قائداعظم ایسی والہانہ محبت رکھتے ہوں۔ یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ اب رہی میری عقیدت تو میں مسٹر جناح کو ولی اللہ کہتا ہوں۔''

ممتاز دانش ور اور مصنف پروفیسر جمیل الدین احمد کی رائے کا اقتباس ملاحظہ ہو: ''بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ مغالطہ ہے کہ مسٹر جناح کا دین کی رُوح سے واسطہ نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ انہوں نے اپنے گرد مذہبی تقدس کا ہالہ نہیں بنایا ہوا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ وہ عوام کے مذہبی جذبات اور تعصبات کا استحصال نہیں کرتے تھے۔ وہ مذہبی رسوم کی نمائش نہ کرتے تھے اور مذہبی و منطقی موشگافیوں کا تانا بانا بھی نہیں بناتے تھے' لیکن دین کی رُوح سے نہ صرف باخبر بلکہ پوری طرح سرشار تھے''۔

ڈاکٹر خالد علوی نے اسلام کے بارے میں قائداعظم کے عقیدے اور رویے کے بارے میں خود قائداعظم کا ایک ایسا بیان ڈھونڈ نکالا ہے جو قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اخباری بیان ''قراردادِ پاکستان'' کی منظوری سے بھی پہلے 22 اکتوبر 1939ء کے روزنامہ ''انقلاب'' میں چھپا تھا۔ قائداعظم کا مخلصانہ اور والہانہ جذبہ خاص طور پر دیدنی ہے: ''مسلمانو! میں نے دنیا کو بہت دیکھا۔ دولت' شہرت اور عیش و عشرت کے بہت لطف اٹھائے۔ اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ میں مسلمانوں کو آزاد اور سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی۔ میں آپ کی داد اور

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

اقبال اور عورت

موجودہ تہذیب کا شاید یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ اس نے عورت کو انسانی معاشرہ میں اپنے متعین مقام سے ہٹا کر مختلف اجنبی راہوں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ آج کی تہذیب نے اس کے مخصوص جسم' ذہن اور ایک جداگانہ نفسیات کا قطعاً کوئی لحاظ نہ رکھتے ہوئے عورت کو سراسر غیر فطری یا خلاف طبیعت امور کی سرانجام دہی میں الجھا دیا ہے۔ عورت کا وہ نازک جسم' نرم ذہن اور معصوم نفسیات' جو نسلِ انسانی کی پیدائش' نگہداشت اور تربیت کے لئے تخلیق کئے گئے تھے۔ معمولی دفتروں اور کارخانوں سے متعلق فائلوں کی ورق گردانی میں صرف کئے جا رہے ہیں۔ ساری دنیا آج اس ''تہذیبی المیہ'' کے ہولناک نتائج سے دوچار ہے۔ گھر ویران ہو چکے ہیں۔ خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ بچے اخلاقی اقدار سے محروم ہیں اور عورت خود اپنی نسائیت کھو چکی ہے۔

علامہ اقبال ایک عظیم ماہر نفسیات' دوربین مفکر اور مسلمان فلاسفر تھے۔ انہوں نے آج سے 80 سال پیشتر اس امر کو محسوس کر لیا تھا کہ اگر عورت کو اپنے فطری وظائف سے ہٹا کر فکر معاش کے چکر میں ڈال کر مردانہ مشاغل میں منہمک کر دیا گیا تو انسانی معاشرہ گوناگوں مشکلات و مصائب سے ہمکنار ہو جائے گا۔ اقبال کا یہ ایمان تھا کہ شریعت محمدیہؐ نے عورت کو جو مقام و مرتبہ بخشا ہے وہی مناسب ترین اور ہر اعتبار سے موزوں ہے۔

علامہ اقبال ایک مرتبہ اپنے دورہ انگلستان کے دوران میں لندن کی معروف دکان سیلف ریجز پر تشریف لے گئے اور سیلز گرل سے جرابیں لانے کو کہا۔ لڑکی دوڑ کر جرابیں لے آئی اور آپ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ علامہ صاحب نے ایک عجیب کیفیت استغراق میں اس لڑکی سے پوچھا ''تم یہاں کس لئے کھڑی ہو؟'' وہ لڑکی آبدیدہ ہو گئی اور اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سید امجد علی نے علامہ اقبال سے پوچھا کہ آپ نے اس لڑکی سے یہ سوال کیوں کیا؟ آپ نے جواب دیا: ''اس خاتون کو تو گھر کی روشنی بننا تھا' اولاد کی صحیح تربیت کا فرض سرانجام دینا تھا۔ اس کی تخلیق کا مرکز بازار کی رونق بن کر جرابیں فروخت کرنا تو نہ تھا۔''

اسلام مرد اور عورت کے درمیان غیر فطری مساوات کا حامی نہیں ہے۔ قدرت نے مرد اور عورت کے جسم' ذہن اور ان کی نفسیات کے واضح فرق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دونوں کو الگ الگ فرائض و وظائف سونپے ہیں۔ مغربی تہذیب نے مصنوعی مساوات کی آڑ میں عورت پر دوہری ذمہ داری ڈال دی ہے یعنی ایک تو پیدائش و پرورش اولاد کی ذمہ داری اور دوسری خاندان کی کفالت کی ذمہ داری۔ نتیجتاً مغربی عورت اپنے حقیقی اور طبعی حسن و جمال کو کھو رہی ہے۔ معاشرے میں اس کا روایتی احترام آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے اور اس کا ذہن بھی طرح طرح کی پراگندیوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ ڈاکٹر اقبال مغربی نظریۂ مساوات مرد و زن کے قطعاً قائل نہیں ہیں۔ وہ اپنے لیکچر میں فرماتے ہیں:

''میں مرد اور عورت کی مساوات مطلق کا حامی نہیں ہوں۔ قدرت نے ان دونوں کو جدا جدا خدمتیں تفویض کیں۔ اور ان فرائض جداگانہ کی صحیح اور باقاعدہ انجام دہی خانوادۂ انسانی کی صحت اور فلاح کے لئے لازمی ہے۔ مغربی دنیا میں جہاں نفسی نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی

سید مظہر علی ادیب

ہے۔ عورتوں کو آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے الٹا نقصان رساں ثابت ہو گا اور نظام معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی۔ اور عورتوں کی اعلیٰ تعلیم سے بھی جس حد تک کہ افراد و قوم کی شرح ولادت کا تعلق ہے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی غالباً پسندیدہ نہ ہوں گے۔ خاندانی وحدت کے رشتہ کو جو بنی نوع انسان کی روحانی زندگی کا جزو اعظم ہے یہ حریت توڑ دیتی ہے۔''

علامہ اقبال اس تعلیم کو بھی اچھا نہیں سمجھتے جس کو حاصل کر کے عورت مردانہ صفات اختیار کرے اور نسوانیت سے محروم ہو جائے وہ ایسی تعلیم کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

علامہ اقبال شرعی پردہ کے بہت زیادہ حامی تھے۔ ان کے نزدیک پردہ عورت کی نسائیت کا محافظ' اس کی شرم و حیا کا نگہبان اور اس کی عفت و عصمت کا رکھوالا ہے۔ وہ خود اپنی زندگی میں پردہ کے اس حد تک پابند تھے کہ آپ نے لارڈ ولنگڈن کے زمانہ میں انگریزوں کے ایجنٹ کی حیثیت سے افریقہ جانے سے محض اس وجہ سے انکار کر دیا تھا کہ آپ کو ہر سرکاری تقریب میں شرکت کرنے کے سلسلہ میں اپنی بیگم کو بے پردہ کرنے کے لئے مجبور کیا جا رہا تھا۔

سر راس مسعود ڈاکٹر اقبال کے بہت ہی گہرے دوست تھے۔ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ جب سر راس مسعود کے افغانستان کے دورے پر جانے کا وقت قریب آیا تو بیگم مسعود نے اصرار کیا کہ انہیں بھی افغانستان وفد کے ہمراہ لے جایا جائے۔ سر راس مسعود نے ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا تو آپ نے تحریراً جواب دیا کہ ''حکومت افغانستان اپنے تہذیبی و تعلیمی نظام کی ترتیب کے لئے ہندوستان کے علماء کا جو وفد بلا رہی ہے اس کے ہمراہ ایک بے پردہ خاتون کے جانے کا افغانستان کے حکمرانوں پر جو اثر مرتب ہو گا' وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے۔'' اس جواب کے بعد سر راس اپنی بیگم صاحبہ کو سفر میں ہمراہ نہیں لے گئے۔

1904ء میں ''مخزن رسالہ'' میں ڈاکٹر اقبال کا ایک مضمون بعنوان ''قومی زندگی'' شائع ہوا تھا۔ اس میں آپ پردہ کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''عورتوں کے حقوق کے ضمن میں پردہ کا سوال غور طلب ہے کیونکہ کچھ عرصہ سے اس پر بڑی بحث ہو رہی ہے۔ بعض مسلمان جو مغربی تہذیب سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے ہیں۔ اس دستور کے بہت سخت مخالف ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ اور نیز حال کے دیگر اسلامی ممالک میں پردے کی یہ صورت نہیں ہے جو آج کل ہندوستان میں ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پردے پر بہت سخت زور دیا جانا اخلاقی وجوہ پر مبنی تھا۔ چونکہ اقوام ہندوستان نے اخلاقی لحاظ سے کچھ بہت زیادہ ترقی نہیں کی ہے۔ اس واسطے اس دستور کو یک قلم بند کر دینا میری رائے میں قوم کے لئے نہایت مضر ہو گا۔''

اب جب کہ مجموعی طور پر افراد معاشرہ کا اخلاقی معیار پہلے کے مقابلہ میں کہیں زیادہ گر چکا ہے۔ علامہ اقبال اگر آج زندہ ہوتے تو یقیناً خواتین کو پردہ کی مبارک رسم پر کاربند رہنے کی نسبتاً زیادہ تلقین کرتے۔ علامہ اقبال نے پردے کو بے پردگی پر دیکھئے کس خوبی سے ترجیح دی ہے۔

آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

اس میں شک نہیں کہ پردہ عورت کی نسوانیت کی حفاظت کرتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ عورت کو اپنی نسوانیت کی مکمل نگہبانی کے لئے مرد کے سہارے کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال اس ناقابل انکار

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

کاروان خلافت منزل بہ منزل

ستمبر میں تنظیم اسلامی اسلام آباد کی سرگرمیاں

i) ہفتۂ دعوت

مرکز سے موصولہ ہدایت کے مطابق ہفتۂ دعوت منعقد کرنے کے لئے حلقہ پنجاب (شمالی) کے ناظم جناب خالد محمود عباسی نے امراء اور نقباء کے ایک اجتماع میں جملہ امور کو طے کیا۔ اس ضمن میں مقام، مقررین اور عنوانات کو حتمی شکل دی گئی اور جناب ریاض حسین کو ناظم اجتماع مقرر کیا گیا۔ 23 سے 27 ستمبر تک اس اجتماع کے لئے اسلام آباد کی گنجان آبادی' کراچی کمپنی' میں جناب چوہدری محمد اسلم کی رہائش گاہ کے باہر کھلی جگہ میں انتظام کیا گیا۔ مقامی رفقاء نے نہایت تن دہی سے کام کرتے ہوئے پروگرام کی مناسب دعوت اور تشہیر' اجتماع گاہ کی تیاری اور دیگر امور انجام دیئے۔

پہلے دن کے عنوان ''راہِ نجات'' کے لئے راقم الحروف کی ذمہ داری لگائی گئی تھی۔ پروگرام بعد نماز مغرب شروع ہوا۔ لگ بھگ 30 احباب اور اتنے ہی رفقاء نے انتہائی توجہ اور انہماک سے سورۃ العصر کی روشنی میں مذکورہ موضوع پر خطاب سنا۔ خطاب کے بعد سوال و جواب کا موقع بھی دیا گیا۔ دوسری شام ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کے عنوان پر برادرم رشید ارشد نے سورۃ الاعراف کی آیت 157 کی روشنی میں خطاب کیا۔ حاضری پہلے دن سے کافی بہتر تھی۔ تیسری شام کا موضوع ''دینی فرائض کا جامع تصور'' تھا۔ اس پر گفتگو کے لئے جناب شمس الحق اعوان کو دعوت دی گئی تھی۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں دورِ زوال میں پیدا ہونے والے اسلام کے محدود اور مسخ شدہ تصور کو واضح کیا اور اس کے بالمقابل دین کی جانب سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کی نشاندہی کی۔ چوتھے دن ''نظام اسلام کے نفاذ کا نبوی طریق کار'' پر گفتگو کے لئے ناظم حلقہ جناب خالد محمود عباسی تشریف لائے۔ انہوں نے عام فہم انداز میں انقلاب اسلامی کے مراحل و مدارج پر روشنی ڈالی۔ حاضرین نے ان کی تقریر کو بہت سراہا۔ آخری دن ''التزام جماعت اور نظامِ بیعت'' پر جناب شمس الحق اعوان نے خطاب کیا۔ انہوں نے پچھلے چار دن کی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے اس بات کو واضح کیا کہ اقامت دین کی جدوجہد کے لئے کسی ڈھیلی ڈھالی اجتماعیت سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کے لئے نظام بیعت کی مسنون' ماثور اور منصوص اساس پر قائم ایک منظم اجتماعیت درکار ہے اور اس وقت ان تقاضوں پر پورا اترنے والی واحد جماعت تنظیم اسلامی ہے۔ انہوں نے حاضرین کو تنظیم اسلامی میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ نتیجتاً کچھ حاضرین کی طرف سے مزید لٹریچر کا تقاضا ہوا اور بعض نے بیعت فارم بھی حاصل کئے۔

ii) ماہانہ دعوتی اجتماع

یہ اجتماع G-9 مرکز میں واقع الخیام ہوٹل میں 30 ستمبر کو بعد نماز مغرب منعقد ہوا۔ اس مرتبہ عنوان ''عالم اسلام: عذابِ الٰہی کی گرفت میں'' تجویز ہوا۔ اس موضوع پر حلقہ پنجاب (شمالی) کے ناظم جناب خالد محمود عباسی نے سورۃ الکہف کی روشنی میں سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کے احوالِ عروج و زوال اور ان میں مشابہت کے پہلوؤں کی وضاحت کی۔ انہوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ ہمارے موجودہ زوال کا اصل سبب اس ذمہ داری یعنی ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کو ترک کر دینا ہے جس کے لئے اس امت کو پیدا کیا گیا تھا۔ اس پروگرام کے لئے بھی مقامی رفقاء نے بہت محنت کی اور گھر گھر جا کر لوگوں کو دعوت دی۔ چنانچہ لوگوں کی کثیر تعداد نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ اس موقع پر کتب' کیسٹ اور سی ڈیز پر مشتمل مکتبہ بھی لگایا گیا تھا۔

(رپورٹ: عاطف وحید)

بانیٔ تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا واہ کینٹ میں خطاب

9 ستمبر کو بعد نماز مغرب پی او ایف ہوٹل' واہ کینٹ میں بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک ولولہ انگیز اور ایمان افروز خطاب کا اہتمام کیا گیا جو ''ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے تقاضے'' کے موضوع پر تھا۔ اس سلسلے میں تنظیم اسلامی اُسرہ واہ کینٹ کے علاوہ حبیب بنک لمیٹڈ اور الہدیٰ ویلفیئر ٹرسٹ نے خصوصی طور پر مالی معاونت کی۔

خطاب سے پہلے جناب قاری محمد امین نے تلاوتِ کلام پاک کی سعادت حاصل کی۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب شفاء اللہ نے ادا کئے۔ اس موقع پر ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے خطاب کا آغاز حسبِ معمول منتخب آیات قرآنی اور ازاں بعد مسنون دعائیہ کلمات سے کیا۔ ختم نبوت کے موضوع پر ایک جامع اور سیر حاصل گفتگو کے بعد بانی امیر محترم نے اُمت مسلمہ کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی کہ

وقتِ فرصت ہے کہاں' کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

انہوں نے کہا کہ اب یہ ذمہ داری امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف رسول اللہ ﷺ کا پیغام حق و صداقت دنیا کے کونے کونے میں پہنچائیں بلکہ خود اسلامی طرز زندگی کا عملی نمونہ بھی پیش کریں۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے مخصوص اور بھرپور انداز میں حاضرین کو دعوتِ حق دی اور کہا کہ وہ دین حق کی پورے معاشرے میں عملی ترویج کے لئے آگے بڑھیں اور ان لوگوں کا کھلے دل سے ساتھ دیں جو خلوص نیت سے اللہ کے دین کو قائم اور سربلند کرنا چاہتے ہیں۔ سامعین نے خطاب کے آخر تک انتہائی توجہ اور انہماک سے ڈاکٹر صاحب کی باتیں سنیں۔ بعد میں سوال و جواب کی نشست ہوئی' جس میں ڈاکٹر صاحب نے مدلل جواب دیئے۔ بانیٔ تنظیم کے مسنون دعائیہ کلمات کے ساتھ اس ایمان افروز تقریب کا اختتام ہوا۔ (رپورٹ: پروفیسر محمد سعد اللہ)

تنظیم اسلامی ڈھیرکوٹ کے زیر اہتمام تفہیم دین کورس

یہ کورس تنظیم کے دفتر واقع مقبول پلازہ میں 30 ستمبر تا 4 اکتوبر منعقد ہوا۔ ہینڈ بلز اور بینرز سے تشہیر کے علاوہ انفرادی سطح پر بھی لوگوں کو دعوت دی گئی۔ پہلے روز جناب پروفیسر جاوید احمد نے سورۃ العصر پر لیکچر دیا۔ دوسرے دن جناب راجہ محمد داؤد نے سورۃ الاعراف کی آیت 175 کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کے بغیر نبی اکرم ﷺ سے وہ تعلق قائم نہیں ہو سکتا جو اللہ کو مطلوب ہے۔ تیسرے دن جناب نیاز احمد عباسی نے فرائض دینی کا جامع تصور پیش کیا۔ چوتھے دن جناب پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے غلبۂ دین کے نبوی طریقہ پر گفتگو کرتے ہوئے موجودہ حالات میں انقلابی عمل کو واضح کیا۔ آخری دن بھی جناب پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے خطاب کیا' موضوع تھا: ''جماعت اور بیعت کی اہمیت''۔

اس کورس سے 70 کے قریب افراد مستفید ہوئے اور تنظیم اسلامی کے فکر سے آگاہی حاصل کی۔ شرکاء نے کورس میں تدریسی ماحول کو بہت سراہا۔ (رپورٹ: جمیل الرحمٰن عباسی)

ستمبر میں شعبہ نشر و اشاعت حلقہ لاہور کی سرگرمیاں

1) عراق پر ممکنہ امریکی حملے کے خلاف حلقہ لاہور کے زیر اہتمام مظاہرے کی کارروائی کا پریس ریلیز تمام اخبارات کو جاری کیا گیا۔

2) روزنامہ ''امت'' کراچی کو تنظیم اسلامی کے بانی امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے انٹرویو کا پریس ریلیز اخبارات کو فیکس کیا گیا۔ اسے جنگ' نوائے وقت' ایکسپریس' آواز' انصاف' ڈان اور دی نیشن نے شائع کیا۔

3) امیر حلقہ جناب مرزا ایوب بیگ کے تجزیئے باقاعدگی سے روزنامہ دن کو بھجوائے گئے۔ محترم بیگ صاحب کے کالم کا نام بمعہ لوگو کمپیوٹر ڈیزائننگ کروا کر دن اخبار کو پہنچا دیا گیا۔ اب یہ کالم بعنوان ''حق گوئی'' شائع ہوں گے۔

4) حالات حاضرہ کے حوالے سے امیر حلقہ کی طرف سے تین عدد پریس ریلیز جاری کئے گئے۔

5) نوائے وقت کے کالم نگار جناب عبداللہ ملک کے مضمون ''کیا امریکی سامراج ناقابل تسخیر ہے؟'' کا جواب امیر حلقہ نے تحریر کیا' جو ''نوائے وقت'' میں شائع ہوا۔

6) معروف دانشور ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اور ممتاز کالم نگار جناب

ارشاد احمد عارف شعبہ نشر واشاعت کی دعوت پر حلقہ لاہور کے دفتر تشریف لائے۔ امیر حلقہ، راقم اور جناب شیخ نوید نے دینی وملکی معاملات پر ان سے تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ دونوں حضرات کو محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی تصانیف کے سیٹ ہدیہ کے طور پر پیش کئے گئے۔

7) منتخب نصاب نمبر 1 کے چار دروس کی تلخیص ''فیملی'' میگزین کو اشاعت کے لئے بھجوائی گئی۔

8) ''آن لائن'' نیوز ایجنسی کے ذریعے امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید کا انٹرویو ریکارڈ کروایا گیا۔

9) حلقہ لاہور کے رفقاء سے امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید کے خطاب کا پریس ریلیز جاری کیا گیا' جو نوائے وقت اور دی نیوز نے شائع کیا۔ (رپورٹ: وسیم احمد)

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کا دورۂ کراچی

امیر محترم حافظ عاکف سعید کا یہ دورہ تاریخی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ امارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد وہ پہلی مرتبہ کراچی تشریف لائے تھے۔ انہوں نے 19 اکتوبر کو کراچی کے ماہانہ شب بسری کے پروگرام میں شرکت کی۔

20 اکتوبر کو صبح نو بجے ملتزم ومبتدی رفقاء سے بالمشافہ بیعت لینے کے بعد امیر محترم کے خطاب کا آغاز ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ تنظیم کے ہر رفیق کو ان چیلنجوں کا ادراک ہونا چاہئے جو اس مشن کو درپیش ہیں۔ ہماری تحریک ابلیسی نظام کے خلاف ہے' جس کا دفاع نہ صرف خود ابلیس کر رہا ہے بلکہ مسلمانوں کے اندر بھی اس کے ایجنٹ سرگرم عمل ہیں۔ ان کا سب سے بڑا حربہ یہ ہے کہ وہ تحریک کے کارکنوں کو ان کے مشن سے منحرف کر دیں۔ ایک گھنٹے کے جامع خطاب میں جناب حافظ عاکف سعید نے تنظیم کے فکر اور اس کے طریقہ کار کی تذکیر فرمائی۔ اس دوران انہوں نے انقلاب کے ہر مرحلے میں درپیش مسائل کا ذکر بھی کیا اور رفقاء کے کرنے کے کام کی بابت ان کی رہنمائی فرمائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی یہ تذکیری گفتگو رفقاء کے لئے آموختہ کا درجہ رکھتی ہے۔

نماز ظہر کے بعد امیر محترم کی ایک خصوصی نشست حلقہ سندھ (زیریں) کے ذمہ داروں کے ساتھ منعقد ہوئی' جس میں ہر عہدے دار نے اپنا مختصر تعارف پیش کیا۔ بعد نماز عصر امیر محترم حلقہ کے امیر اور ناظم کے ہمراہ نوجوان رفیق جناب توحید خان کی رہائش گاہ پر ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ مغرب کے بعد امیر تنظیم جناب حافظ عاکف سعید حلقہ کے دفتر تشریف لائے اور رفقاء کے ساتھ انفرادی ملاقاتیں کیں۔ بعد نماز عشاء وہ بزرگ رفیق جناب سراج الحق سید کی رہائش گاہ پر ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ سید صاحب موصوف ایک طویل عرصے سے صاحب فراش ہیں۔ انہوں نے اس ملاقات میں امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اسی شب امیر محترم بذریعہ سکھر ایکسپریس حلقہ سندھ (بالائی) کے دورے پر تشریف لے گئے۔

(رپورٹ: محمد سمیع)

تنظیم اسلامی پشاور کا تفہیم دین پروگرام

یہ سہ روزہ پروگرام 27 تا 29 ستمبر بمقام مسجد عطائی خان' ہشت نگری گیٹ منعقد ہوا۔ اس کے لئے علاقہ میں مناسب تشہیر کی گئی۔ 27 ستمبر کو بعد نماز مغرب جناب وارث خان نے ''ایمانیات'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ایمان کی تعریف اور اس کی شاخوں پر روشنی ڈالی۔ عملی زندگی اور جہاد کے ساتھ اس کے تعلق کو بھی واضح کیا گیا۔ 28 ستمبر کا موضوع ''دینی فرائض کا جامع تصور'' تھا' جس کے مقرر حلقہ سرحد (جنوبی) کے امیر جناب میجر (ر) فتح محمد تھے۔ انہوں نے بورڈ کی مدد سے مذہب اور دین کے فرق کو واضح کرتے ہوئے فرائض دینی بیان کئے اور آخر میں منہج انقلاب نبوی کے نکات بتائے۔ تیسرے دن انجینئر طارق خورشید نے ''علاماتِ قیامت اور موجودہ حالات'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے دجال اور دجالی فتنے کا ذکر کیا۔ آخر میں تنظیم اسلامی کا تعارف پیش کیا گیا۔ تینوں دن علاقے سے تقریباً 20 احباب نے شرکت کی اور پروگرام کی افادیت کو سراہا۔

تنظیم اسلامی لاہور (وسطی) کے زیر اہتمام پانچ روزہ تفہیم دین کورس

یہ پروگرام 25 تا 29 ستمبر دفتر لاہور (وسطی) واقع اردو بازار میں بعد نماز عشاء منعقد ہوئے۔ پانچ مختلف موضوعات کے لئے چار مدرسین کا انتخاب کیا گیا تھا۔

پہلے روز ''راہِ نجات'' پر جناب حافظ محمد عرفان نے سورۃ العصر کے حوالے سے درس دیتے ہوئے کہا کہ نجات کی چار کم سے کم شرائط بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک شرط کے بغیر بھی نجات ممکن نہیں ہے۔ دوسرے روز ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کے موضوع پر جناب عمران حمید نے گفتگو کی۔ سورۃ الاعراف کی آیت 157 کے حوالے سے انہوں نے تعلق کی چار بنیادیں بیان کیں' یعنی حضور ﷺ پر ایمان لایا جائے' آپؐ کی عزت وتعظیم کی جائے' آپؐ کی تائید ونصرت کی جائے اور جو قرآن آپؐ پر نازل کیا گیا ہے اس کا اتباع کیا جائے۔ تائید ونصرت کے حوالے سے انہوں نے شہادت علی الناس پر تفصیلی بحث کی۔ تیسرے روز کے موضوع ''فرائض دینی کا جامع تصور'' پر راقم نے تقریر کی۔ قرآن وسنت کی رُو سے بنیادی طور پر یہ تین فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں.

1۔ خود اللہ کا بندہ اور فرمانبردار بننا
2۔ دین کو دوسروں تک پہنچانا یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر
3۔ دین کو بالفعل قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا

چوتھے روز بھی راقم ہی نے ''غلبۂ دین کا نبوی طریقہ'' پر گفتگو کی۔ اس حوالے سے سیرت النبیؐ کے چھ مراحل بیان کئے گئے جن کے نتیجے میں حق کو غلبہ ہوا۔ پانچویں روز کا موضوع ''اجتماعیت اور بیعت کی اہمیت'' تھا' جس پر جناب امجد محمود نے خطاب کیا۔ اس کے بعد لاہور (وسطی) کے امیر نے اپنی فکر انگیز تقریر میں شرکاء کی توجہ موجودہ زمانے کے منکرات کی طرف دلائی۔ آخر میں انہوں نے سوالوں کے جواب دیئے۔

اس پروگرام میں روزانہ اوسطاً 28 رفقاء اور 17 احباب شریک رہے۔ (رپورٹ: نثار احمد خان)

حلقہ پنجاب (شمالی) کے زیر اہتمام گوجر خان میں تربیتی پروگرام

یہ پروگرام جامع مسجد العابد' گوجر خان میں 19 اکتوبر کو بعد نماز مغرب شروع ہو کر اگلے روز نماز ظہر تک جاری رہا۔ پمفلٹوں اور ذاتی رابطوں کے ذریعے اس کی تشہیر کی گئی۔ پہلی نشست میں حلقہ کے ناظم جناب خالد محمود عباسی نے ''انقلاب نبویؐ میں صحابہ کرام کا کردار'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے اقامت دین اور انقلاب نبویؐ میں صحابہ کرامؓ کی بے مثال جانی و مالی قربانیوں پر روشنی ڈالی۔ دوسری نشست نماز عشاء کے بعد ہوئی' جس میں جناب رشید ارشد نے مطالعہ لٹریچر کے سلسلے میں ''قرن اول میں اسلام'' کا مطالعہ کرایا۔ کھانے کے بعد آرام کا وقفہ ہوا۔

فجر کے بعد جناب رشید ارشد نے فتنہ دجال کے موضوع پر درس حدیث دیا۔ تیسری نشست ناشتے کے بعد شروع ہوئی۔ اس میں جناب نوید احمد عباسی نے تاریخ بنی اسرائیل اور تاریخ امت مسلمہ کا تقابلی جائزہ پیش کیا۔ چوتھی نشست طویل ترین تھی' جس میں جناب خالد محمود عباسی نے ''اسلام کی نشاۃِ ثانیہ'' کتابچہ کا تفصیلی مطالعہ کرایا۔ اس کے بعد چند رفقاء نے اپنے تاثرات بیان کئے' جس کے ساتھ ہی یہ تربیتی پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

اس پروگرام میں حلقہ پنجاب (شمالی) کے تمام علاقوں یعنی راولپنڈی' اسلام آباد' مری' کامرہ' ایبٹ آباد' جاتلاں میرپور' چک شہزاد' گوجر خان اور جہلم کے رفقاء نے شرکت کی۔

(رپورٹ: مرتضیٰ شاہ)

امیر تنظیم اسلامی کی عمرہ کے لئے روانگی

امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید 20 نومبر 2002ء کو عمرہ کے لئے حجاز مقدس تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کی واپسی عید الفطر کے فوراً بعد متوقع ہے۔ (ان شاء اللہ)

بقیہ: منبر ومحراب

ہے۔ وہ صبح بچے کو نرسنگ ہوم میں چھوڑ جاتی ہے۔ وہاں اسے ماں کی محبت کبھی نہیں مل سکتی۔ یہ طوفان یورپ میں آ چکا ہے جس کے باعث تہذیب مغرب ختم ہو چکی ہے۔ آج مغربی تہذیب صرف ٹیکنالوجی کے بل پر کھڑی ہے ورنہ اس میں کوئی جان نہیں۔ شیطان کے یہ ایجنٹ سیاست و معیشت کا پوری دنیا میں بیڑہ غرق کرنے کے بعد سماجی سطح پر مغرب میں جو تباہی ہو چکی ہے اسے اب ایشیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اس پروگرام کو انہوں نے Social Engineering کا نام دیا ہے یعنی ہمارا معاشرہ جس میں مذہب اور خاندان کی بات ہے اسے ختم کر کے یہ ایک نئی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ ایشیا اور مسلم ممالک میں خاندان کا ادارہ کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے۔ لہٰذا اس پر حملہ آور ہونے کے لئے 1994ء میں Women lib کے نام سے قاہرہ میں ایک کانفرنس بلائی گئی۔ دوسری کانفرنس 1995ء میں بیجنگ میں بلائی گئی۔ اور اس کے 5 سال بعد جون 2000ء میں بیجنگ پلس فائیو کانفرنس ہوئی تھی۔ Social Engineering کے اس پروگرام کو Women 2000 کا نام دیا گیا ہے۔ ان کانفرنسوں میں درج فیصلے کئے گئے جو اقوام متحدہ کے رکن ممالک پر نافذ ہو چکے ہیں' ان فیصلوں کے مطابق:

1۔ Homosexuality کو جائز قرار دیا جائے۔

2۔ Homosexual Families بن سکتی ہیں۔

3۔ عورت گھر کے کام کاج سے انکار کر سکتی ہے اور اگر گھر کا کام کرے گی تو اس پر اجرت طلب کرے گی۔

4۔ عورت اگر حمل کی تکلیف برداشت کرے تو اس پر بھی اجرت لے سکتی ہے۔

4۔ جسم فروشی کو ایک باعزت پیشے کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ ان کے نزدیک یہ بھی ایک جسمانی لیبر ہے۔

5۔ وراثت اور طلاق کے معاملات میں مرد و عورت برابر ہوں گے۔

6۔ اگر کسی وقت بیوی کی طبیعت ہمبستری پر آمادہ نہ ہو اور شوہر مجبور کرے تو یہ زنا شمار ہوگا۔

دجالیت کا آخری وار اس نظام کو انسانیت پر مسلط کرنا ہے تاکہ انسان سے انسانیت کا لبادہ اتار کر اسے ننگا حیوان بنا دیا جائے۔ البتہ اس ضمن میں ہمارے ملک میں جو ہوا پوری دنیا میں کہیں نہیں ہوا۔ میری مراد اسمبلی' یونین کونسل' ڈسٹرکٹ کونسل کے اداروں میں عورتوں کے لئے تہائی نشستوں کا مختص کرنا ہے جبکہ پوری دنیا میں ایسا کہیں بھی نہیں کہ عورتوں کی ایک تہائی نشستیں مخصوص ہوں۔

اس ضمن میں افسوس ناک بات ہماری دینی جماعتوں کا اس حوالے سے طرز عمل ہے۔ ان نیم مذہبی نیم سیاسی دینی جماعتوں میں سے کسی نے اس پر احتجاج نہیں کیا! احتجاج کرتے بھی کیسے کیونکہ عورتوں کے بھی ووٹ ہیں اور چونکہ دینی جماعتیں بھی الیکشن لڑتی ہیں تو وہ عورتوں کو کیسے ناراض کر سکتی ہیں۔ انتخابات میں کامیابی کے لئے انہی قباحتوں کے باعث میں کہتا ہوں کہ الیکشن کے ذریعے یہاں اسلام نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

بقیہ: تجزیہ

امریکہ پر ہو جائے اور امریکہ اس سے اپنے مفادات کے مطابق فیصلے کروا سکے۔ لیکن جب فوج ایک حد سے آگے جانے سے انکار کرے گی تو امریکہ فوج اور عوام کے درمیان پیدا شدہ خلیج سے فائدہ اٹھا کر کسی ایسے تصادم کی صورت پیدا کر دے گا جس کا نتیجہ' کسی کی بھی جیت کی صورت میں نکلے' پاکستان کے لئے لازماً ہلاکت خیز ہوگا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ دشمن کی چالوں کو سمجھا جائے۔ فوج اور سیاست دان مسلمانوں کے حقیقی دشمن کو پہچانیں۔ انتقال اقتدار کے مرحلے سے دانشمندی اور معاملہ فہمی سے گزر جائیں۔ پاکستان میں ایک مضبوط اور مستحکم سیاسی حکومت قائم کریں۔ ایک دوسرے کی ٹانگ گھسیٹنے کی بجائے ذاتیات سے بالاتر ہو کر اداروں کے استحکام کے لئے مخلصانہ کوشش کریں۔ اختلاف' جمہوریت کا حسن ہے اور اصولوں کی بنیاد پر اختلاف کرنے والے لوگ قوم اور ملت کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ ان کی قدر کی جائے اور انہیں معاشرے میں باعزت مقام دیا جائے۔ اس حقیقت کو سمجھا جائے کہ غیروں کے مقاصد کی تکمیل کے لئے آلہ کار بننے والے نہ ماضی میں سرخرو ہوئے ہیں اور نہ مستقبل میں ہو سکیں گے۔ ٹیپو سلطان مر کر بھی زندہ ہے اور روشن ستارے کی مانند چمک رہا ہے جبکہ جعفر و صادق کا انجام ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوا۔ عالم اسلام کو متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ اسے ایسے حکمرانوں کی ضرورت ہے جو ملت سے مخلص ہوں اور جو مسلمانوں کے حقیقی دوست اور دشمن میں تمیز کر سکیں۔ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت اسلام کے دشمنوں کے سینے پر مونگ دل رہی ہے۔ وہ اس کانٹے کو نکالنا چاہتے ہیں۔ اس مملکت خداداد کو ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو نظریہ پاکستان کو بنیاد بنا کر اس مملکت کو ترقی کی راہ پر ڈال سکے' جو پاکستان کو حقیقی اسلامی فلاحی ریاست بنا سکے جو اسلام دشمن قوتوں کا آلہ کار بننے سے صاف انکار کر دے۔ دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہی دانش مندی کا تقاضا ہے۔

بقیہ: کتاب نما

شہادت کا طلب گار نہیں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل' میرا ایمان اور میرا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا۔ جناح تم نے مسلمانوں کی حمایت کا فرض پورا کیا۔ میرا خدا یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبے میں اسلام کا پرچم سربلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے"۔

قومی اہمیت کی یہ کتاب ''الفیصل ناشران' اردو بازار' لاہور نے سلیقے سے شائع کی ہے۔ قیمت 150 روپے ہے۔ ''الفیصل'' کا اعلان ہے کہ ''ندائے خلافت'' کے قارئین سے ڈاک کا خرچ نہیں لیا جائے گا اور دس فی صد رعایت بھی دی جائے گی۔

بقیہ: گوشہ خواتین

عالمگیر حقیقت کو اپنے ان زوردار الفاظ میں تسلیم کرتے ہیں کہ

ایک زندہ حقیقت ہے مرے سینے میں مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ' نہ تعلیم' نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد

علامہ اقبال حضرت محمد ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے ہیں اور انہیں ہر لحاظ سے ایک آئیڈیل 'مثالی' خاتون تصور کرتے ہیں۔ ہر خاتون کو خواہ وہ بیٹی ہو' بہو ہو یا بیوی ہو' علامہ اقبال کا یہی مشورہ ہے کہ وہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی مثالی زندگی سے شمع ہدایت کا کام لے۔ آپ کہتے ہیں۔

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ!
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ!

"decentralization" from Islamabad, centralization towards military headquarters — headquarterisation — took place, under which the Junta in the GHQ has been empowered to interfere and make a final decision about every matter under the sun in Pakistan. Interestingly all this happened in the name of democracy. The person who took oath on November 16, 2002 is no different than the person who overthrow an elected government on October 12, 1999: The same uniform, the same intentions and the same powers to rule and speak from the barrel of a gun. Titles and labels are irrelevant. The dictatorship goes on and on.

Vol:11 Regd.CPL No.127 N...

Weekly Nida-e-Khilafat La...

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tnzeem.org)

Dictatorship Goes On

What's in a name? Plenty when it comes to ruling a country with brute force.

Leaders with exciting titles, such as President and Prime Minister, sell better than leaders with "dictator" kind of scary title. Two years after Musharraf had ousted the prime minister in a coup, *The Economist* summed up world opinion of him with damning brevity: "a useless dictator." Three years later, on November 16, 2002 he turned himself into an "elected President" without removing his military uniform and without any endorsement from the parliament.

The same day 324 opportunistic MNAs swore to remain subordinate to five more years of his military control. They heralded the dawn of the military-tailored democracy in Pakistan. Soon we will have an impotent, spineless Parliament, which could only be steered from the Presidency. All the rest is rhetoric and misleading slogans for democracy, some for local and the rest for foreign consumption.

Interestingly, the newly elected members of national assembly are not only fooling the nation but also themselves into believing that they are taking oath under the 1973 constitution as it existed before the 1999 coup. The General has however made them to take oath under a constitution that incorporates the controversial Legal Framework Order (LFO) decreed by the junta.

So, we have the blaring headlines: "the dawn of democracy" in Pakistan. Whereas the General has, in fact, been empowered to sack the future prime ministers, dissolve parliament and set up overseeing National Security Council to permanently keep armed forces in the governance mechanism.

We are now living under a "democratic" set up in which our civilian leaders have accepted the supremacy of armed forces in all decision making simply because they are too focused on wheeling and dealing for different positions in the future set up. The all empowered General-cum-President has the previously prime ministerial powers to appoint armed forces' chiefs and provincial governors, who in turn will be empowered to sack provincial chief ministers and dissolve provincial assemblies with the dictatorial assent from the "President."

Restoration of national assembly and putting on the label of elected president doesn't change the reality that Musharraf is no different than Saddam Hussein, Hosnie Mubarak, Bashar-ul-Asad, etc. All of these win with a margin no less than 95% of the vote in single candidate elections or referendums. Despite all such games, the question of legitimacy would keep haunting the General as much as it haunts his compatriot dictators elsewhere in the world.

Elections are an easy way to legitimising power seized in the name of law and order and national security. The recent elections and restoration of assemblies would not win Musharraf a reputation as a democrat because the facts are so obvious to hide with fig leaf of his sham democracy.

As far as strengthening democratic institutions is concerned, a consensus among masses is now emerging that the whole election process was an exercise in futility. The new assemblies would prove no different than the assemblies gathered under General Zia to endorse his brand of democracy. The objective in both cases was only to silence the politicians and hide the junta behind the shield of being properly elected and inducted in the government.

Those who remember previous dictatorships would agree that introduction of a new drama after regular intervals is part of the dictatorial game and a way to prolong the illegitimate rule. The latest drama might look too real and it may also work for a while, but only for a while before Washington decides, in collusion with India, to put its foot down and teach the Pakistan's Army a lesson. We have failed but an Indo-US alliance will not. That would be the end of Army's role both in politics and in defending our territorial integrity. It could well mean an end to Pakistan's nuclear deterrence and capability. They world would witness a disarmed Pakistan after a disarmed Iraq.

Those of us who ignore the real intentions of General Musharraf and his mentors' in Washington must keep in mind that saving Pakistan from the US attack in October 2001 is not a big deal. The US could not attack Pakistan at that time any way. Similarly, increase in foreign reserves is not a great achievement because any one could perform this feat by selling his brothers and sisters. Furthermore, our unconditional cooperation in the US-led "war on terrorism" has not improved our image in our own eyes -- among Muslim masses, who are destined to overthrow the sell outs in the not too distant future.

Musharraf's decision to house US forces in Pakistan has not strengthened but miserably weakened our national security. Contrary to his claims of a "hopeful future" and "devolution of power," Musharraf's LFO and other measures have actually weakened our governing mechanism. In the background of